حضرت عروہ نے بتایا: لا و اللہ ما ھی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماھی الا قدم عمر [24]

(اللہ کی قسم! یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک نہیں۔ بلکہ عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے) یہ سن کر جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی جان میں جان آئی، وامر ابا حفصۃ مولی عائشۃ رضی اللہ عنہا وناسا معہ فبنوا الجدار [25]

"پھر آپ نے حضرت عائشہ کے غلام ابوحفصہ کو حکم دیا، انہوں نے دوسروں کے ساتھ مل کر دیوار بنائی" اب اندر جاکر صفائی کرنے کا مرحلہ باقی رہ گیا، اس سعادت کے حصول کیلئے جناب عمر ثانی خود تیار ہوگئے، رجاء بن حیوہ موجود تھے، بولے۔

انک ان قمت قام الناس معک فلو امرت رجلا ان یصلحھا رجوت انہ یامرنی بذاک [26]

بقیہ حاشیہ

اپنی خدمات کا مظاہرہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں مجھے جھوٹی نمائش کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی حفاظت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں مجھے کسی سے خطرہ نہیں اپنی تقدیر پر شاکر ہوں، تم جاؤ!

جب گھوڑوں کی فوج ظفر موج کا ذکر کیا گیا جس کا بار بیت المال پر تھا تو فرمایا تمام گھوڑے بازار میں لے جاکر فروخت کردو، اور رقم سرکاری خزانے میں داخل کردو آپکی اہلیہ فاطمہ خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں، جنکی نزاکت طبع اور شاہانہ مزاج کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ کی بہن، خلیفہ ہی کی بیٹی، خلیفہ ہی کی بیوی تھیں جنکی اس شان کو ایک شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

بنت الخلیفۃ والخلیفۃ جدھا

اخت الخلیفۃ والخلیفۃ زوجھا [البدایۃ ۹: ۱۹۳]

یہی فاطمہ جب اپنے شوہر کے نصب العین، اور مطمح نظر کی صداقت سے آگاہ ہوئیں

[24] بخاری، ۱۸۶ ۔ [25] وفاء الوفاء ۳۸۷ [26] عمدۃ القاری ۸: ۲۲۷
(بقیہ حاشیہ آگے)

جناب! اگر آپ اندر تشریف لے گئے تو ساری مخلوق بے قرار ہوکر ٹوٹ پڑے گی۔ اس لئے کسی اور کو حکم دیں جو یہ خدمت انجام دے، در پردہ یہ خود اس سعادت سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے تھے)

جناب عمر ثانی نے فرمایا: لا نؤذیھم بکثرتنا الیوم [27]

(ہم ہجوم کرکے روضۂ اقدس کے مکینوں کو اذیت و تکلیف نہیں دیں گے،

آپ نے اپنے غلام مزاحم کو حکم دیا کہ وہ یہ سعادت حاصل کرے۔ جب وہ صفائی کرنے میں لگ گیا تو جناب عمر کی محبت حرفِ تمنا بن کر ہونٹوں پہ آگئی۔

لان اکون ولیت ما ولی مزاحم من قم القبور احب الی من ان یکون لی من الدنیا کذا وکذا [28]

قبور مبارکہ کو صاف کرنے کی جو خدمت مزاحم انجام دے رہا ہے۔ اگر یہ میرے حصے میں آتی تو ساری دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی۔

بقیہ حاشیہ

اور جان لیا جس راہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے وہی برحق ہے۔ تو زندگی کے ہر موڑ پر ساتھ دینے اور ایثار کرنے کیلئے تیار ہوگئیں۔

جناب عمر نے فرمایا! باپ سے جو بیش قیمت جواہرات، جڑاؤ زیور اور ذخائر ملے ہیں، وہ مجھے دو تاکہ میں انہیں بیت المال میں داخل کردوں، میں تم اور دنیا کے یہ زخارف اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جناب فاطمہ نے برضا و رغبت تمام زیورات اور جواہرات نکال کر دے دیئے۔

اور کہا: میں ایسے زیورات آپ کے جوتے کی نوک پر قربان کرتی ہوں۔

جب آپ کا وصال ہوا تو بعد میں بننے والے خلیفہ نے حضرت فاطمہ کو پیش کش کی! اگر فرمائیں تو وہ زیورات واپس کردوں، جو حضرت عمر نے لے کر بیت المال میں جمع کرا دیئے تھے؟ مگر ایثار پسند، وفا شعار، زاہد طبع اور بے نیاز خاتون نے فرمایا،

[27] وفاء الوفاء، ۳۸۷ ۔ [28] وفاء الوفاء ۱: ۳۸۷ باقی حاشیہ آگے

"ان کی زندگی میں جس چیز کو ٹھکرا دیا، اب انکے وصال کے بعد اسے گھر میں لانا گوارا نہیں کر سکتی۔"

حضرت فاطمہ نے جناب عمر کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

گھر میں آتے تو سجدے میں گر کر رونا شروع کر دیتے اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی، جب ہوش آتا پھر طبیعت بے قرار ہو جاتی رونا شروع کر دیتے اسی عالم گریہ و نیاز اور سجدہ و انابت میں ساری رات گزر جاتی۔

جب موت کو یاد کرتے تو جسم پھڑکنے لگ جاتا

ایک دفعہ کسی اموی شہزادے نے شکایت کی آپنے ہم سے تمام جاگیریں چھین کر بیت المال میں جمع کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا ان تمام اموال میں عام مسلمانوں کے مساوی حق ہے، اگر حق پرست اور قناعت پسند بننا چاہتے ہو تو کثرت کے ساتھ موت کی یاد کیا کرو۔ اگر عیاش ہوئے تو عیاشی سے باز آجاؤ گے۔ اور اگر تنگدست ہوئے تو صابر و قانع ہو جاؤ گے۔

ایک ایسے شخص نے ایک دفعہ آپکے صاحبزادے کو پٹی پڑھائی کہ اندر جاکر کہو: پہلے خلفاء تو ہمیں بہت نوازتے تھے، مگر آپ نے تو جو کچھ تھا وہ بھی لے لیا آپ نے صاحبزادے سے کہا، جاکر جواب دو! اباجان کہتے ہیں۔

انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم

"اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ قیامت کے عذاب سے ڈر لگتا ہے"

آپ نہایت رحمدل تھے اور کسی کو قتل کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ سے پہلے خلیفہ سلیمان، باغی خارجیوں کو مروا دیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ کسی خارجی نے سلیمان کو منہ پر گالیاں دیں، اس نے حکم دیا، عمر کو بلاؤ جب آپ آئے تو اس نے خارجی سے پھر کلام کیا، اس نے پہلے کی طرح پھر سے بے نقط سنا ڈالیں۔ سلیمان جناب عمر کو یہی دکھانا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔

بولا! اب آپ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟

جناب عمر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا! جس طرح اس نے تمہیں گالیاں دی ہیں، تم بھی اسے گالیاں دے لو!

سلیمان نہ مانا اور پولیس انسپکٹر خالد کو حکم دیا اسے قتل کر دو۔

جب خالد کی ملاقات جناب عمر سے دوبارہ ہوئی تو اس نے تعجب سے کہا!

"جب امیر المومنین اس خارجی کو قتل کرنا چاہتے تھے، تو آپ نے صرف گالیاں دینے کا مشورہ کیسے دے دیا؟ مجھے تو خدشہ پیدا ہو گیا تھا، کہیں وہ غصہ میں آکر آپ کو قتل کرنے کا حکم نہ دے دیں"

آپ نے پوچھا! اگر وہ یہ حکم دے دیتا، تو تم کیا کرتے؟

خالد نے جواب دیا: "میں بے دریغ آپ کو قتل کر دیتا"

اس جواب سے جناب عمر کو خالد کی ظالمانہ ذہنیت معلوم ہوگئی۔

جب آپ خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلے خالد کو بلا کر معزول کیا، اور یہ عہدہ عمرو بن مہاجر انصاری کو دیا جو بڑے ایماندار، فرض شناس، شرع پاک کے پابند اور نیک طینت تھے۔

جناب عمر نے باغ فدک کی تحقیقات کا بھی حکم دیا۔

معلوم ہوا حضور علیہ السلام اسکی آمدن، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ فرماتے تھے، بنو ہاشم کے بچوں کی تربیت کیلئے اسی سے وظائف دیئے جاتے، بیوہ عورتوں کی شادی کا انتظام کیا جاتا، جناب فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے یہ باغ لینا چاہا، مگر آپ نے انکار فرمایا۔

جناب صدیق و فاروق کے عہد خلافت میں اسکی آمدن ان ہی مدات پر خرچ ہوتی رہی جن پر آقا علیہ السلام خرچ فرماتے تھے۔ پھر بعد میں مروان نے اسے ذاتی جاگیر بنالیا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کے بعد حکم دیا: باغ فدک کی پہلی حیثیت بحال کر دی جائے۔ اور اسکی آمدن انہی کاموں پر صرف کی جائے، جن

پر عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں صرف ہوتی رہی۔

عدل و انصاف اور دیانت و امانت میں بالکل خلافتِ راشدہ کے نقشِ قدم پر تھے، دنیاوی اور سیاسی مصلحتوں کی خاطر کتاب و سنت کے احکام نظر انداز نہ کرتے تھے

موصل کے حکمران یحییٰ غسانی نے آپ کو لکھا۔

یہاں کے باشندے بڑے جرائم پیشہ اور فتنہ و فساد کے عادی ہیں، ڈاکہ زنی، سرقہ اور سلب و نہب کی وارداتیں کثرت سے ہوتی رہتی ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو قیام امن کی خاطر صرف شک و شبہ کی بنا پر ہی ان لوگوں کو سزائیں دینا شروع کر دوں۔

آپ نے جواب دیا۔ کتاب و سنت کے احکام سے ہرگز تجاوز نہ کرو، شرعی ضابطوں سے جو جرم ثابت ہو جائے اسے سزا دو، غیر کو نہیں! جو شرعی ضابطہ کار سے درست نہیں ہوتا۔ اسکی اصلاح کی ضرورت بھی نہیں۔"

ان قوانین پر عمل کی برکت سے کچھ ہی عرصہ بعد موصل کا علاقہ سب سے زیادہ پر امن اور بابرکت ہو گیا۔

رجاء بن حیوہ کہتے ہیں، شب کو آپ کے ہاں تھا۔ چراغ مدہم ہو گیا، غلام سویا ہوا تھا، اسے جگانے کی بجائے خود اٹھے، چراغ درست کیا!

میں نے کہا: آپ غلام کو جگا لیتے؟

فرمایا! جب میں اٹھا تب بھی عمر تھا، اب واپس آیا ہوں تب بھی عمر ہوں۔

اس خلوص و ایثار کے ساتھ خلافت کے فرائض انجام دینے کی اتنی برکت ظاہر ہوئی کہ غرباء و نادار ختم ہو گئے لوگ زکاۃ کیلئے مستحقین تلاش کرتے، سروں پہ دولت کی گٹھڑیاں اٹھا کر پھرتے، مگر کوئی لینے والا نہ ملتا۔

طبیعت میں اتنا اعتدال و انصاف تھا کہ تعصب کی بناء پر جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے ایک شخص کو آپ نے کوڑے لگوائے۔

قیس کہتے ہیں! قرآن پاک نے مومن آلِ فرعون کی جو حیثیت بیان کی ہے بنو امیہ میں جناب عمر کی وہی حیثیت تھی۔

میموں کا بیان ہے اللہ تعالیٰ پہلی امتوں کو انبیائے کرام کے ذریعہ ہدایت دیا کرتے تھے۔ اب چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اس لئے جناب عمر کے ذریعہ ہدایت و نگرانی کا انتظام فرمایا ہے)

ابن فضالہ کہتے ہیں! جناب عمر کے صاحبزادے کو دیکھ کر ایک راہب دیوانہ وار لپٹ گیا اور بہت عزت کی پھر بتایا! میں نے اس لئے تمہارا احترام کیا ہے کہ تم ایک عظیم باپ کے بیٹے ہو، جس طرح حرمت والے مہینوں میں تین مہینے اکٹھے ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم! اور ایک مہینہ الگ ہے یعنی رجب!.....

اسی طرح خلفاء راشدین میں تین ایسے خلفاء اکٹھے ہیں جن کی خلافت کو سب نے تسلیم کیا یعنی جناب صدیق و فاروق و عثمان اور ایک خلیفہ الگ ہیں یعنی عمر بن عبد العزیز

یہ ارشادات آپکی حکمت و بصیرت اور علم و دانش کے شاہد ہیں:

(الف) صفائے باطن کی طرف توجہ دو، ظاہر بھی مجلا و آراستہ ہو جائے گا۔

(ب) مجاہدہ غضب اور حرص و ہوس سے بچنے والا محفوظ رہتا ہے۔

(ج) حسن طلب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو! اگر پہاڑ کی چوٹی پر اور زمین کی پہنائیوں میں بھی تمہارا رزق ہو تو تمہیں مل جائے گا۔

(د) ایک شخص سے فرمایا: اپنے بیٹے کو فقہ اکبر سکھاؤ۔

اس نے پوچھا! فقہ اکبر کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا: قناعت اور اذیت رسانی سے اجتناب:

بنو امیہ کے عیاش شہزادے اس پیکر عظمت و جلال اور آفتاب ہدایت و دیانت کی اصلاحی کاروائیاں برداشت نہ کر سکے، چنانچہ غلام کے ذریعہ جناب عمر کو زہر دلوا دیا۔

کسی نے مشورہ دیا کہ مدینہ طیبہ تشریف لے جائیے، تاکہ روضہ اقدس نبوی میں آپ کو بھی جگہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا: اگر اس اعزاز کریم کے اہل ہونے کا کبھی میرے دل میں خیال بھی آیا ہو تو خدا مجھے عذاب دے،

آخری وقت میں حاضرین سے کہا: نکل جاؤ:

مسلم اور فاطمہ دروازے پر بیٹھے رہے ۔

جناب عمر کی زبان سے نکلا:

مرحبا بھذہ الوجوہ' لیست بوجوہ الانس ولا جان

میں ان حسین چہروں کو مرحبا کہتا ہوں، یہ جن و انس کے چہرے نہیں ہیں

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین

" یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم ان لوگوں کو دیں گے۔ جو زمین میں علو و فساد نہیں چاہتے: آخرت پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے"۔ اس کے بعد خاموشی چھاگئی اندر آکر دیکھا تو آپ وصال فرما چکے تھے

بیس رجب ۱۰۱ھ میں ساڑھے انتالیس سال کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کے برابر آپ نے بھی دو سال پانچ مہینے خلافت فرمائی جناب حضرت حسن بصری کو پتہ چلا تو فرمایا۔

مات خیر الناس : سب سے بہتر انسان چل بسا۔

عباسی خلفاء

خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰ - ۱۹۳ھ) کے عہد میں ان کی والدہ خیزران ۱۷۰ھ میں مدینہ طیبہ وارد ہوئیں انہیں مقامات مقدسہ پر عقیدت و محبت کے پھول پیش کرنے کا بہت شوق تھا، ابراہیم بن الفضل نے اس معاملہ میں انکی راہنمائی فرمائی اور روضۂ اقدس اور مسجد نبوی کو خلوق (خوشبو کی ایک قسم) سے معطر کرنے کا مشورہ دیا۔

خیزران نے اپنی کنیز مونسہ کو اس خدمت کیلئے مامور کیا، چنانچہ ستون اور درو دیوار تک خلوق سے لتھیڑ دیئے گئے۔ [29]

خلیفہ المتوکل (۲۳۲ - ۲۴۷ھ) نے ۲۳۳ھ میں روضۂ اقدس کے گرد سنگ مرمر کا فرش بچھانے کا بطور خاص اہتمام کیا، چنانچہ اس نے ایک ماہر فن اسحاق کو مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی تعمیرات کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا، اور حکم دیا کہ ان ان یؤزر الحجرۃ بالرخام [30]

حجرہ پاک میں سنگ مرمر بچھائے۔

فلما ولی المتوکل ازرھا بالرخام من حولھا [31]

(جب متوکل حکمران ہوا تو حجرہ پاک کے ارد گرد سنگ مرمر نصب کرایا۔) عہ

حاشیہ: عہ

خلیفہ المتوکل: یہ خلیفہ ہارون رشید کا پوتا تھا، ۲۰۷ھ میں پیدا ہوا منصب خلافت سنبھالتے ہی ان تمام بدعات کا نام و نشان مٹانے کا عزم کرلیا، جنہیں مامون کے زمانے سے بڑا شیوع و نفوذ حاصل تھا، اپنے اس کارنامے کی بدولت اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی، اہل علم اور محدثین کا بھی بڑا قدردان تھا، ایک مرتبہ علماء کو اپنی مجلس میں مدعو کیا، اسکی آمد پر سارے کھڑے ہوگئے، مگر احمد بن المعذل بیٹھے رہے، متوکل کو یہ اندازہ کھٹکا، حاضرین سے مخاطب ہوا، یہ ہمیں خلافت کا اہل نہیں سمجھتا، سب کو خدشہ پیدا ہوگیا کہ اب احمد عتاب شاہی کا نشانہ بن جائیں گے۔ کسی نے

۲۹ے وفاء الوفا ۱/۴۱۶ - ۳۰ وفاء الوفا ۱/۴۰۸ ۳۱ے عمدۃ القاری ۸: ۲۲۷ -

خلیفہ المقتفی (۵۳۰ - ۵۵۵) نے ان تعمیرات پر اور اضافہ کیا ۵۴۸ھ میں از سرِ نو سنگِ مرمر بچھایا گیا۔ صندل و آبنوس کی نہایت خوبصورت اور پھولدار کھڑکیاں لگائی گئیں، وزیر جمال الدین نے تو اس سلسلہ میں بڑی ہی دلچسپی اور عقیدت کا اظہار کیا اور شفاف و براق پتھروں سے حرم نبوی کو سجا دیا۔ [32]

بقیہ حاشیہ

معذرت کے طور پر کہا: "آنکی بینائی کمزور ہے اس لئے نہیں اٹھے، وگرنہ یہ آپ کو سچا خلیفہ مانتے ہیں" جناب احمد ایک راستباز اور حق گو عالم تھے، فوراً اس وکالت کی تردید میں بول پڑے:

اے خلیفہ: میری نظر میں کوئی خرابی نہیں ہے، میرے نہ اٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں آپ کو آگ سے بچانا چاہتا تھا، کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "جو دوسروں کے دست بستہ کھڑا ہونے سے خوش اور مغرور ہو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے"،

متوکل کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، لہٰذا خود جاکر ان کے پاس بیٹھا۔

بدعات کی بیخ کنی اور استیصال کی وجہ سے اور سنت کے احیاء کے باعث بعض اہل علم نے متوکل کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے کہ تین خلفاء اپنی تین خدمات اور خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے ہیں۔ جناب ابوبکر صدیق اس وجہ سے کہ آپ نے اہل ردت اور جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کی: جناب عمر بن عبدالعزیز کو اس وجہ سے کہ آپ نے مغصوبہ املاک مستحقین تک پہنچائیں۔ اور متوکل کو اس وجہ سے کہ اس نے سنت کو زندہ کیا۔

کسی نے خواب میں دیکھا کہ روشنی میں ٹہل رہا تھا۔ پوچھنے پر جواب دیا: سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔

۲۴۷ھ میں اسکے بیٹے منتصر نے اوباشوں کے ساتھ مل کر باپ کو قتل کر دیا اور خود خلیفہ بن گیا، مگر باپ کا قاتل ہونے کی وجہ سے سکون نصیب نہ ہوا۔ لوگوں

(بقیہ حاشیہ آگے)

[32] عمدۃ الفاری وفا ۴۰۸۔

شاہان مصر کے وزیر حسن بن حیجا نے سفید ریشمیں پردے لٹکائے، جن پر سرخ و زرد رنگ کے ریشم کے ساتھ نقش کاری کی گئی تھی اور سورۃ یٰسین لکھی گئی تھی۔ [33]

خلیفہ المستضی (۵۶۶ - ۵۷۵) نے ۵۷۰ھ میں بنفشی رنگ کے ریشمی پردے تیار کرائے، اور انکے چاروں کناروں پر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی لکھوا کر وہاں لٹکائے۔ [34]

خلفائے عباسیہ کے علاوہ دوسرے بادشاہوں نے بھی اپنی محبت و نیازمندی کا ثبوت دیا۔ سلطان رکن الدین بیبرس نے ۶۶۷ھ میں حج کیا، جب روضۂ اطہر پر حاضری دی تو اسکے دل میں روضہ اقدس کے ارد گرد جالی لگانے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس نے اگلے سال درابزین یعنی جنگلہ یا جالی بنوا کر بھیجی جو ۶۶۸ھ میں ارد گرد لگائی گئی۔ [35]

قلاوون خاندان کی خدمات اس سلسلہ میں بہت نمایاں ہیں۔ مصر کا فرمانروائیہ خاندان ۷۹۲ھجری تک برسرِ اقتدار رہا، اسکے مورث اعلیٰ "قلاوون صالحی کے عہد ہمایوں میں مشہور سیاح ابن بطوطہ مصر پہنچا۔ اس نے ان الفاظ میں اسکی سیرت بیان کی ہے۔

وكان سلطان مصر على عهد دخولى اليها الملك الناصر ابو الفتح محمد بن

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

میں مشہور ہوگیا

بادشاہت کی خاطر باپ کو مار ڈالنے والا چھ ماہ سے زیادہ بادشاہ نہیں رہتا۔ کیونکہ کسریٰ ایران شیرویہ بھی باپ کو قتل کر کے، چھ ماہ بعد ہی چل بسا تھا۔ وہی ہوا منتصر نے خواب دیکھا کہ متوکل کہہ رہا ہے۔ تو نے مجھ پر ظلم کیا ہے، زیادہ عرصہ تو بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی مر گیا۔

[33] عمدۃ الفاری: ۱م ۳ وفاء الوفاء، ۱۵م: [35] عباس کوارہ، تاریخ الحرمین، ۲۱۲: [34] تحقیق النصرۃ ۱۴۴: وفا، ۴۳۸م

الملک المنصور سیف الدین قلاوون الصالحی... وللملک الناصر رحمہ اللہ السیرۃ الکریمۃ والفضائل العظیمۃ ۔ وکفاہ شرفا انتماءہ لخدمۃ الحرمین الشریفین [۳۷]

جب ہم مصر پہنچے تو وہاں کے سلطان، قلاوون صالحی کے صاحبزادے الملک الناصر محمد تھے، خدا ان پر رحمتیں نازل فرمائے، بڑی خوبیوں کے مالک ہیں انکی عظمت کے اظہار کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ خادم حرمین شریف ہیں۔

مشہور سیاح ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔

ہم نے روضہ اطہر کی زیارت کی، اسکی چوڑائی ہر طرف سے دو سو بہتر بالشت ہے سنگ مرمر کے ایسے نفیس اور حسین پتھر نصب ہیں جنکی نقش کاری اور خوبی و دلاویزی کی شرح نہیں کی جا سکتی، دیواروں پر مسک وطیب کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں اور لاجوردی پردے عجب شان سے لہراتے رہتے ہیں، ان پر چہار پہلو اور ہشت پہلو حلقے اس نفاست اور مہارت کے ساتھ بنائے گئے ہیں، کہ اندر گول دائرہ اور باہر سفید نقطے ہیں، ان کی اشکال ایسی بدیع اور حسین ہیں کہ بیان میں نہیں آسکتیں۔

جو مقام مہبط جبریل کہلاتا ہے، وہاں اظہار علامت و عقیدت کے طور پر ایک پردہ لٹکایا گیا ہے مواجہہ شریف کے سامنے چاندی کی ایک سلاخ ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ پر نور اس طرف ہے جدھر صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے مبارک چہرے ہیں ادھر بیس قندیلیں چاندی کی آویزاں ہیں، دو سونے کی بھی ہیں [۳۸]

سلطان قلاوون ہی کے پوتے، سلطان الصالح اسماعیل نے ۷۶۰ھ میں مصر میں ایک گاؤں خریدا اور اسکی آمدن کعبہ مکرمہ کے غلاف اور روضہ مقدس کے پردوں کیلئے وقف کر دی۔ غلاف ہر سال اور پردے پانچویں سال ڈالے جاتے تھے

۳۶ تاریخ الحرمین، ۲۴۰: تحقیق النصرۃ ۸۱ = وفاء الوفا، ٤٢٥م

۳۷ رحلۃ ابن بطوطہ ۴۲م

اشتری قریۃ من بیت مال المسلمین بمصر ووقفها علی کسوۃ الکعبۃ المشرفۃ فی کل سنۃ وعلی کسوۃ الحجرۃ المقدسۃ والمنبر الشریف فی کل خمس سنین [۳۹]۔

"مصر پر ترکی سلاطین کا قبضہ ہو جانے کے بعد، سلطان سلیمان اعظم نے ملک الصالح کے اس وقف میں سات گاؤں کا اور اضافہ کر دیا۔ اور اس عظیم وقف کی آمدنی سے ہر سال کعبہ کا غلاف، اور ہر پانچویں سال حجرۂ نبوی کے پردے اور ممبر نبوی کا غلاف مصر سے بن کر آنے لگا"۔ [۴۰]

سلطان الصالح بن محمدؒ کے بعد حسن بن محمدؒ نے ۷۶۵ھ میں گنبد پاک کی ازسرِ نو تعمیر کرائی۔

۸۸۱ھ میں پھر اس گنبد پاک کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا جسکی تکمیل بروائت علامہ سمہودی ۸۹۲ھ میں [۴۱] اور بروائت امام محمد مہدی صاحب مطالع المسرات ۸۸۶ھ میں ہوئی۔ وصفۃ الروضۃ الشریفۃ علی ماھی

علیہ الآن بعد انشائھا عام ستۃ وثمانین

وثمان مائۃ [۴۲]

(اور روضہ پاک کی موجودہ صورت ۸۸۶ھ میں وجود میں آئی۔ یہی حالت اب تک قائم ہے) خاندان قلاوون کے ملوکِ مصر کی طرح، ترکی سلاطین نے بھی روضۂ اطہر کی تعمیر و تزئین میں حسنِ اہتمام کی تمام تر دلنوازیوں کے ساتھ حصہ لیا گنبد پاک کا سبز رنگ انہی کی پسند ہے۔ جو ذوقِ نظر کے ساتھ انکے حسنِ انتخاب و حسنِ عقیدت کی بھی دلیل ہے۔

اس سلسلہ میں عثمانی خلیفہ محمود خاں بادشاہ (۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵) کی محبت وارادت بہت بڑھی ہوئی اور ایک باوفا سچے مومن اور عاشق صادق کے جذبات کی ترجمان و نمائندہ تھی، چنانچہ انہوں نے ۱۲۳۳ھ میں روضۂ اطہر کی بناء و تعمیر میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اور ذاتی طور پر حصہ لے کر گنبد پاک پر سبز رنگ کرایا [۴۳]

۳۸ ابن جبیر، ۱۶۹ - ۳۹ وفاء الوفا ۱۶م - ۴۰ غلاف کعبہ کی تاریخ، مرتبہ ابو الاعلی، ۱۹۰

۴۱ وفاء الوفا، ۳۷م - ۴۲ مطالع المسرات، ۱۳۸ - ۴۳ وفا، ۳۶م

محمود خاں کو اس اہتمام اور خصوصی توجہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہابیوں نے وہاں قابض ہو کر مقدس مقامات کی بہت توہین کی تھی، مسلمانوں کے اکابرین کی قبریں منہدم کر دی تھیں اور اس قدر خون خرابہ کیا تھا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس لئے محمود خاں کو ان کی سرکوبی کی طرف توجہ دینا پڑی چنانچہ سنہ ۱۲۳۳ھ میں ان کا استیصال کر دیا گیا۔

(اس اندوہگیں، ہوشربا اور خونی داستان کی تفصیلات ساتویں باب میں "ابن عبدالوہاب نجدی صاحب" کے حالات کے تحت بیان کی جائیں گی۔

ساتواں باب

گنبد خضراء کی اعجازی شان

۱۔ واقعۂ حرّہ

۲۔ حجاز کی آگ

۳۔ روضۂ اطہر میں نقب زنی کی کوشش اور سلطان نورالدین زنگی

۴۔ واقعۂ خسف

۵۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی

ا:۔ وہابی تحریک کا سیاسی پس منظر
ب:۔ خلفائے آل عثمان
ج:۔ حجاز کے حکمران
د:۔ نجد کے سردار
ھ:۔ شیخ ابن عبدالوہاب کا زمانہ ظہور۔
و:۔ رجحانات و عقائد اور کتاب التوحید
ز:۔ مرزائے قادیان اور شیخ نجدی
ح:۔ ابتدائے عشق

وھابیت کا پہلا دور

ابن سعود کا جانشین
علماء میدانِ عمل میں

وھابیت کا دوسرا دور

ا:۔ کارنامے

۱۔ کربلا معلی پر حملہ ۲۔ طائف کی بربادی
۳۔ مکۂ مکرمہ کی بے حرمتی ۴۔ مدینۂ طیبہ کی بے حرمتی

وھابیت کا استیصال

وھابیت کا تیسرا دور

اؔ:- جنگ اقتدار — ب:- ابن رشید کا ارتقاء
ج:- غیر اللہ کی پناہ میں — د:- تشنہ آرزو کی تکمیل

وھابیت کا چوتھا دور

ا- منظم وہابیت کی ضرورت
ب- ۱۹۲۴ء کا عالم اسلام
ج- طائف میں خون
د- مکہ پر دوبارہ حملہ
ھ- گنبدِ خضرا پر فائرنگ۔
و:- وہابیت کے خلاف دنیائے اسلام کا احتجاج

وھابیت اپنے کردار کے آئینے میں

۱- تصورِ بُتاں کا ایک رُخ
۲- دوسرا رُخ

وھابیت پر مستند آراء و تبصرے

وھابیت کی نشاندھی نبوی اخبارِ غیب میں

ا:- دربارِ نبوی کی علمی مجلسیں
ب:- ذوالخویصرہ

علامات کی تفصیل:

۱- کالا ٹنڈا	۲- نجد سے خروج
۳- ٹنڈ پرستی	۴- مسلمانوں کا قتل عام
۵- بت پرستوں سے دوستی	۶- بے لگام زبان۔



زندہ نبی کے زندہ معجزات

اور برکات کا ظہور

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

" میری روح اس جلوہ گاہ پر فدا ہو جائے جہاں آپ سکونت پذیر ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسی میں، عفت و پاکبازی کی عظمتیں، اور کرم و سخا کی ساری شانیں مستور و پنہاں ہیں "

اعجازِ نبوی کے بے شمار، زندہ و پائندہ اور باوقار مظاہر ہیں:-

(الف) وعدۂ الٰہی ہے کہ

بدخواہوں کی اذیت رسانی سے تحفظ، اور ان کی خوفناک ریشہ دوانیوں اور معاندانہ چیرہ دستیوں سے ذاتِ اقدس نبوی کا بچاؤ، خاص اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے، اپنی تمام تر مہلک کارروائیوں کے باوجود وہ اس ذاتِ بابرکات کے جسم و جاں کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

(ب) وصال شریف کے بعد از سرِ نو پہلے جیسی حیات بھی، خاصۂ نبوت کی ایک اعجازی شان ہے، آپ کی حیات، تابندہ تر، جاوداں، نگاہِ یقین و ایمان اور حقیقت میں ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔

(ج) " تصرف فی الکون " بھی آپ ہی کی عظمتِ شان، اور جلالتِ مرتبت کا ایک حصہ ہے

یہ تمام محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلنواز ادائیں اور حسین شانیں ہیں، جن سے انکے مہربان و مالک اور قیوم پروردگار نے ان کو نوازا ہے، جس طرح ظاہری حیاتِ پاک میں ان کا ظہور ہوتا تھا، وصال شریف کے بعد بھی بارہا ان کا مشاہدہ و مظاہرہ ہوا ہے گویا گنبدِ خضرا میں جلوہ بار ہونے کے بعد بھی، یہ شانیں نمایاں و تاباں ہیں۔ تاریخ نے ان نشانوں کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے، جو ان حقائق پر روشنی ڈالتی ہیں کہ، تصرف، حیات، اور وعدۂ تحفظ، آج بھی برقرار ہے، اور قیامت تک اسی شان سے برقرار رہے گا۔

گنبدِ خضرا کے مکین ہونے کے بعد، ان اعجازات کی نمود اور ان کا تذکرہ ایک نیا جذبہ و ولولہ، اور ذوقِ یقین پیدا کرتا ہے اس لئے اس تذکرے سے قلب و روح کی بالیدگی کا سامان کیا جاتا ہے۔

واقعۂ حرّہ

یہ ۶۱ھ کی بات ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے عالم اسلام میں یزید کے خلاف غم و نفرت کی لہر دوڑا دی، اہل مدینہ نے اس سانحہ کی شدت کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا جس کا اظہار یوں ہوا کہ انہوں نے مدینہ پر یزید کے گورنر عثمان بن محمد کو معزول کر دیا، بنو امیہ گھر کا گھیراؤ کر لیا انہیں اذیتیں دیں، اور اقتدار و انتظام کیلئے دو امیر چن لئے، مہاجرین نے عبداللہ بن مطیع کو اور انصار نے ابن حنظلہ کو منتخب کر لیا۔

یزید کی نظر میں یہ ایک انتہائی اقدام تھا جسے گوارا کر لینا اسکی جاہ پسند و لدادۂ شان و شکوہ اور متکبر طبیعت کیلئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس نے بلا تاخیر مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف پیشقدمی کرے۔ اس نے خاص ہدایات بھی دیں کہ اگر اہل مدینہ سے مقابلہ ہو جائے تو انہیں کسی قسم کی مراعات نہ دی جائیں اور تین روز تک وہاں قتل عام کیا جائے،

یہ شامی لشکر ہوا کے دوش پر پرواز کناں نواحِ مدینہ میں پہنچ گیا۔ اور پورے شہر کو محاصرہ میں لے لیا، اسکی آمد کی سن گن پا کر اہل مدینہ نے پہلے ہی حفاظتی اقدامات کے طور پر ایک خندق مدینہ کے گرد کھودی ہوئی تھی۔ اس لئے شامی اچانک حملہ آور نہ ہو سکے۔ اور پیغام رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شامیوں کا سارا زور اسی نقطے پر تھا کہ یزید کی دوبارہ بیعت کر لیں، مگر اہل مدینہ نے جواب دیا، اپنے نصب العین اور ایمان کی خاطر جانیں تو دے دیں گے مگر ایک فاسق و نابکار کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔

مسلم بن عقبہ نے تیسرے روز حملہ کر دیا۔ اہل مدینہ منورہ نے تعداد کی کمی کے باوجود اس آہن و سنگ میں ڈوبی ہوئی فوج کی تند و تیز یلغار کو پامردی سے روکا، مگر وہ زیادہ عرصہ اس سیلِ بے اماں کے سامنے چٹان بن کر نہ جم سکے اور پسپا ہو گئے۔ مسلم بن عقبہ نے کسی قسم کی حرمت و فضیلت کو ملحوظ رکھے بغیر عام

لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا حکم دے دیا۔ یہ نام نہاد مسلمان درندے انسانیت و شرافت کی تمام قدریں بالائے طاق رکھ کر شہر مقدس میں گھس گئے اور ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا، جسکے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور شرافت منہ چھپاتی ہے۔ ایسی قبیح، گھناؤنی اور انسانیت سوز حرکات کیں، جو ایک ذلیل و ناہنجار دشمن ہی سے سرزد ہو سکتی ہیں۔ تین دن تک یہ ہنگامہ دار و گیر اسی طرح قائم رہا چوتھے دن فسق و فجور کے یہ بادل چھٹے اور اہل شہر کو سکون سے سانس لینا نصیب ہوا

اس عرصہ میں نہ کسی کی عزت محفوظ رہی نہ جان اور جائداد۔ اہل شام نے تقریباً سات سو معزز ترین افراد کو شہید کر دیا جن میں اکابر صحابہ اور بزرگ ترین نامور اہل علم و تقویٰ بھی تھے۔ انکے علاوہ دس ہزار دوسرے لوگ تہہ تیغ کئے۔

جب یہ طوفان بلا قدرے تھما تو مسلم بن عقبہ دربار لگا کر بیٹھ گیا۔

اسکی چچازاد بہن آئی کہ اپنے سپاہیوں کو حکم دو، وہ فلاں جگہ سے میرے اونٹ نہ لیں۔

اس نے اپنے گماشتوں سے کہا، پہلے اسی کے اونٹ پکڑ کر لاؤ۔

ایک عورت نے بیٹے کی سفارش کی تو اسے اسی وقت اسکے سامنے مروا دیا۔

عمرو بن عثمان کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال اکھڑوا دیا۔

اس وحشت و بربریت نے ہر طرف سراسیمگی و سنسنی پھیلا دی۔ لوگوں کو جہاں پناہ گاہ نظر آئی وہیں دبک گئے۔

جناب سعید بن مسیب کہتے ہیں۔

میں اس ناگہانی آفت سے بچنے کیلئے مسجد نبوی میں بھاگ گیا۔ مگر جب محسوس ہوا کہ ان وحشی درندوں سے یہاں بھی اماں نہیں ملے گی تو روضۂ اقدس میں چلا گیا۔ تین دن تک وہیں چھپا رہا۔ وہاں ایسے ایمان افروز مشاہدات نصیب ہوئے کہ ساری کلفت اور رنج و غم بھول گیا۔ نگاہِ رحمت نبوی نے ایسی کرم نوازی فرمائی کہ اسی کے سرور و حضور میں گم ہو گیا۔

تین دن تک یوں ہوتا رہا، کہ جب بھی نماز کا وقت ہوتا۔ روضۂ اقدس سے باقاعدہ اذان کی مترنم و شیریں آواز سنائی دیتی، پھر کچھ دیر بعد اقامت کی آواز آتی۔ میرے لئے یہ آواز ایسی دلجوئی کا باعث رہی کہ اسکی لذت میں بھول گیا کہ خونخوار دشمنوں سے بچاؤ کیلئے یہاں چھپا ہوا ہوں۔

"اذان سے نمازوں کے اوقات کا پتہ چل جاتا۔ لہٰذا وقت پر نمازیں ادا کر لیتا

اس طرح انہوں نے تین دن تک حضور نبوت سے قلب و جگر کی تسکین اور ایمان و ایقان کی بالیدگی کا خوب سامان کیا، حیاتِ رسالت کے علانیہ مشاہدے اور نمود سے سینے کو نور و سرور سے معمور کر لیا اور عزم و یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر باہر تشریف لائے۔

بعد میں سپاہی ان کو بھی پکڑ کر مسلم بن عقبہ کے پاس لے گئے، مگر آپ پر روضۂ اقدس میں ظاہر ہونے والی اعجازی شان کا ایسا نشہ چڑھا ہوا تھا کہ انہیں مجنوں سمجھ کر چھوڑ دیا۔

قدرت نے مسلم بن عقبہ سے مدینہ منورہ کی بے حرمتی کا اس طرح انتقام لیا کہ چند روز بعد ہی مر گیا۔ یہ ۶۳ھ کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ اسکے بعد یزید بھی چل بسا جسکے اقتدار کو استحکام بخشنے کیلئے مسلم نے اتنا بڑا جرم کیا تھا۔

تاریخ میں یہ خونی حادثہ "واقعہ حرہ" کے نام سے مشہور ہے۔

البدایہ والنہایہ

شرح الزرقانی، علامہ محمد بن عبدالباقی ۸۰ : ۳/۵

حجاز کی آگ

دربارِ رسالت کی خاص اور اجتماعی محفلیں ایمان و عرفان اور رشد و ہدایت کی کہکشاں تھیں جہاں نورِ علم اور حقیقت و معرفت کے دریا بہتے رہتے تھے۔ خود فراموش دین و ایمان علم و اخلاق اور نور و نظر سے محروم، انسانیت اور شرافت کے تقاضوں سے بے بہرہ، تہی دامن بدقسمت لوگ آتے، اور علوم و معارف، ایمان و آگہی اور حکمت و بصیرت کے بیش بہا موتیوں سے دامن بھر کر واپس چلے جاتے، یہ نورانی محفلیں ایمان کی بالیدگی کا موثر ذریعہ اور روحانی تربیت و تعمیرِ اخلاق کا اہم مرکز تھیں جہاں شرعی مسائل و قوانین بھی سکھائے جاتے، اور مظاہرِ کائنات کے مستور حقائق اور سربستہ اسرار سے آگاہی بھی بخشی جاتی، بعض اوقات ماضی و مستقبل کے حالات و واقعات بھی زیرِ بحث آجاتے ایسے موقعہ پر حاضرین کا ایمان تازہ ہو جاتا، وہ مستقبل کے نادیدہ حالات سن کر حیران بھی ہوتے اور محظوظ بھی، کیونکہ غیب کی باتیں فطری طور پر انسان کو متاثر کرتی ہیں، وہ ایسی باتیں شوق و رغبت سے سنتے ہیں اور سنانے والے کی عظمت و فضیلت کے قائل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس عظمت و فضیلت سے اپنے محبوب کو بہرۂ وافر عطا فرمایا ہوا ہے، کیونکہ اسے یہی منظور ہے کہ امتی اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شانوں سے آگاہ ہوں اور ان کے کمال کے گیت گائیں اور ان کی عظمت و رفعت کا اعتراف کریں ایک ایسی ہی علمی و نورانی مجلس قائم تھی، صحابہ کرام مستقبل میں رونما ہونے والے حیرت انگیز واقعات کی تفصیلات سن سن کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی کمالات پر مسرور، اور رب تعالیٰ کی اس عطا پر بے حد خوش ہو رہے تھے کہ ایسا افضل و اعلیٰ بزرگ و بالا اکرم و اعظم اور بصیر و دانا رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عطا فرمایا، کہ اچانک نگاہِ نبوت کے سامنے ۶۵۴ھ ہجری میں وقوع پذیر ہونے والا ایک واقعہ آگیا، آپ نے اس طرح اس کی حقیقت سے آگاہ فرمایا۔

لاتقوم الساعة حتى تخرج نار بالحجاز تضيئ اعناق الابل ببصرى [1]

"قیامت قائم نہ ہوگی، یہانتک کہ حجاز کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جس کی روشنی میں اہل بصری اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں گے"۔

اس حدیث کے راوی ثقہ اکابر ہیں، اور جن محدثین و مورخین نے چھ سو سال بعد اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھا اور چشم دید حالات بیان کئے وہ بھی زمرۂ ثقات و اکابر سے تعلق رکھتے ہیں، مسلم شریف کے شارح امام نووی (۶۳۱-۶۷۶) اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، اور قطب قسطلانی مکہ مکرمہ میں تھے مگر اس آگ کے فلک بوس شعلے انہوں نے وہیں سے دیکھ لئے۔ اپنی کتابوں میں ان حضرات نے اس حیرت انگیز آگ کی تفصیلات درج فرمائی ہیں۔

جمادی الاولیٰ ۶۵۴ھ کی آخری تاریخیں تھیں کہ مدینہ منورہ میں کچھ جھٹکے محسوس کئے گئے، مگر وہ اتنے معمولی تھے کہ کسی نے توجہ نہ دی۔ جمادی الآخری کا مہینہ شروع ہوا تو ان میں شدت آگئی تیسری تاریخ کو منگل کی شب اتنا زبردست زلزلہ آیا کہ لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے جمعہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، مگر جمعہ کے روز ہولناک آواز کے ساتھ زمین نے لرزنا شروع کر دیا۔ ہیبتناک دھماکوں اور قیامت خیز جھٹکوں نے عوام کو مخبوط الحواس بنا دیا۔ ایسی جگر دوز اور ہوشربا صورتِ حال پیدا ہوئی جس کا انہوں نے کبھی سامنا نہیں کیا تھا۔

ابھی وہ زلزلوں کی اسی مصیبت میں گرفتار تھے، کہ ایک اور ناگہانی آفت نے آگھیرا جیسے بوتل سے کسی عفریت نے سر نکال لیا ہو۔ ہوا یہ کہ دہشتناک شور کے ساتھ زمین پھٹ گئی، اور لہراتے ہوئے آگ کے خوفناک شعلوں نے تیزی کے ساتھ باہر لپکنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشرق کی طرف کی ساری وادی آگ کے سمندر میں تبدیل ہو گئی، اور یوں محسوس ہونے لگا کہ سرخ زرد و سیال لاوے کی نہر بہنے لگ گئی ہے، اسکی تیز آنچ میں پتھر پانی کی طرح پگھلنے لگے اور پہاڑ نرم موم کی صورت اختیار کر گئے۔ اس نے لوہے پتھر کو اس طرح کھانا شروع

[1] مسلم شریف ۲: ۳۹۳

کیا جیسے سوکھے پتے جلاتے جاتے ہیں، سنگ سوزی، تباہی و بربادی اور جلاڈ کے اس عمل سے ایسا تلخ دھواں اور غبار اٹھا کہ سورج چاند اور ستارے تک اس کی تیرگی میں چھپ گئے اور آتشِ سیال کے اس دھکتے اور موجزن سمندر میں تحلیل ہو کر رہ گئے۔

یہ آگ کئی میلوں کے رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی، دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا اسے غیر مرئی فصیل میں بند کیا ہوا ہے۔ تاکہ اس سے باہر نہ نکل سکے، عجیب بات یہ تھی کہ پتھروں کو سیسے کی طرح پگھلا دیتی تھی، مگر درختوں پر اثر نہ کرتی تھی۔

اس وقت مدینہ کے امیر عزالدین تھے ظہورِ نار کی خوفناک خبر سن کر حیران و دہشت زدہ ہو گئے، عوام میں منادی کرادی کہ اعمال و نیات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں، یہ سب گناہوں کی شامت و نحوست کا نتیجہ ہے۔ تنبیہ کیلئے یہ ایک نشان ظاہر کیا گیا ہے۔

لوگوں نے دبائی ہوئی امانتیں اور غصب کئے ہوئے حقوق فوراً ادا کئے ایک دوسرے سے زیادتیوں کی معافیاں مانگیں، اور حصول امن و مغفرت کیلئے اس دربار کی طرف دوڑے جہاں جانے کا حکم قرآن پاک نے دیا ہے

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك

فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول ۲ے

استغفار و توبہ کی خاطر تمام لوگ روضہ اطہر پر حاضر ہو گئے

هبط الامیر للنبی صلی الله علیه وسلم وبات فی المسجد

لیلة الجمعة ولیلة السبت ومعه جمیع اهل المدینة

امیر، روضہ اقدس پر آئے، اور جمعہ اور ہفتہ کی رات تمام اہل مدینہ کے ساتھ وہیں گزاری۔

امام سیوطی فرماتے ہیں سارا مہینہ یہ سلسلہ یونہی جاری رہا،

۲ے وفاء الوفا، ۱۵۱ - ۳ے تاریخ الخلفا، ۲۵۰ - ۴ے وفاء الوفا، ۱۵۱

لوگ اپنے محبوب و مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے استغفار و شفاعت کی درخواستیں کرتے رہے، مسجد نبوی میں سجدہ ریز ہو کر روتے اور گڑگڑاتے رہے۔ ان ایام میں ان پر شبوں کا گداز اور دنوں کی تپش کا راز منکشف ہو گیا۔

یہ آگ بتدریج مدینہ طیبہ کی طرف بڑھتی رہی، با دن دن بعد یہ حرم مدینہ کی حدود تک پہنچ گئی، لوگوں کی گریہ وزاری، مسکینی اور عاجزی انتہا کو پہنچ گئی، وہ اس مدت میں تضرع و خشوع اور مناجات و استغفار سے کندن بن گئے۔ آخر توبہ و انابت، درود و سلام اور روضہ اطہر پر حاضری اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم و شفاعت کی برکت سے اس آگ کے بجھنے کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے، چنانچہ وہ حرم شریف کے اندر بالکل داخل نہ ہوئی، نہ اندر کی حدود کی کسی چیز کو کوئی نقصان پہنچایا اور مستقیم شکل میں آگے بڑھنے کی بجائے، شمال کی طرف مڑ گئی۔

اشفق منها اهل المدینة، غایة الاشفاق، والتجئوا الی نبیهم المبعوث بالرحمة، صرفت عنهم ذات الشمال، وزاحت عنهم الاوجال، وظهرت برکة تربته فی امته ۵ے

(آگ سے خوفزدہ ہو کر اہل مدینہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ گئے وہ شمال کی طرف مڑ گئی اور ان کا خوف ختم ہو گیا، اور امت کے سامنے تربت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ظاہر ہو گئی۔)

وہ آگ پیچھے ہٹ کر بالآخر بجھ گئی۔

اس آگ کے ظہور، زمانہ ظہور اور مقام ظہور میں کچھ معنی خیز اشارات ہیں!

(الف) قرآن پاک فرماتا ہے۔ وما نرسل بالآیات الا تخویفا، ہم نشانیاں لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے بھیجتے ہیں، یہ اس لئے تاکہ وہ اپنے کرتوتوں پر متنبہ ہو کر نافرمانی و معصیت کی روش ترک کر دیں۔ گویا نشانات اہل سعادت اور

۵ے وفاء الوفا، ۱۰۰

اہلِ ایمان کیلئے رحمت ہیں۔ یہ آگ بھی اہلِ مدینہ اور دیگر علاقوں کے لوگوں کے لئے ایک طرح کی رحمت وارننگ اور تنبیہ تھی، جو انہیں ہوش میں لانے کے لئے ظاہر کی گئی، چنانچہ ڈیڑھ دو ماہ تک جب وہ برابر نظر آتی رہی تو لوگ از خود اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہو گئے اور انسان بن کر رہنے کا وعدہ کر لیا۔

(ب) اس آگ کے عمل اور طریقہ کار سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف اہلِ دل کو ہوشیار و بیدار کرنے کیلئے تھی، وہ صرف پتھروں کو جلاتی تھی، متعین اوقات میں آگے بڑھتی تھی، اور تقریباً دو ماہ تک جلتی رہی، یہ سارا عمل غافل دلوں کو اس حقیقت سے آشنا کرنے کے لئے کافی تھا، کہ یہ عام آگ نہیں ہے، بلکہ مامور و محکوم ہے اور نظم و ضبط کے ساتھ کام کر رہی ہے، ورنہ اشیاء کو جلانے میں امتیاز نہ برتتی۔

(ج) مدینہ منورہ کے نواحی علاقہ کو اسکے ظہور کے لئے اس واسطے منتخب کیا گیا تاکہ امت کے لئے رحمت ہی رہے، باعثِ عذاب و نقصان نہ بن جائے جب تک اسکی ضرورت ہو جلتی رہے۔ پھر مرکزِ رحمت و کرم کے پاس پہنچ کر بجھ جائے، انذار و تخویف کی ضرورت بھی پوری ہو جائے، اور امت پر اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت پاک کی برکت بھی ظاہر ہو جائے۔

ولعل الحكمة فی تخصيصها بهذا المحل.... فانها لو ظهرت بغيره .... وسلطان القهر.... فانه ربما استولت على ذالك القطر ولم تجد صارفا فيعظم ضررها على الامة فظهرت بهذا المحمل الشريف لحكمة الانذار فاذا تمت قابلتها الرحمة فجعلتها بردا وسلاما ؎۶

(د) اس کے ظہور کے لئے جمعہ کا دن اس لئے چنا گیا کہ یہ مسلمانوں کا خاص اور مقدس دن ہے: تاکہ وہ اس روز اس علامت کبریٰ کو دیکھ کر سمجھ لیں، یہ دن انکے لئے خصوصیت کا حامل ہے جسے فضول ضائع کرنا زیبا نہیں، اور اس دن کی طرح سارے ایام بلکہ مسلمان کی ساری زندگی ایک خاص مقصد کیلئے ہے کھیل تماشے کیلئے نہیں، جسے اطاعت ہی میں صرف ہونا چاہیئے۔

؎۶ وفاء الوفا ۱ / ۱۰۰ ۔ البدایہ ۱۳ / ۱۸۷ ، تاریخ الخلفا ۳۵۰
؎۷ ” ” ” ۱ / ۱۰۸

روضۂ اطہر میں نقب زنی کی کوشش

سُلطان نور الدّین زنگی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اتابک زنگی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۵۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ الاتابك هو الذی يربی اولاد الملوك۔ ۲: ۸

”شاہی اتالیق کو اتابک کہتے ہیں“ آپ کا خاندان شاہان سلجوق کا اتابک تھا مگر سلجوقی فرمانرواؤں کا آفتاب اقبال گہنایا تو یہ خاندان خود مختار ہو گیا۔ اور اس کے متعدد حکمرانوں نے بڑے دبدبے اور وقار کے ساتھ حلب و موصل پر حکومت کی۔

اتابک خاندان کے سربراہ آق سنقر تھے جنکے بعد ان کے فرزند زنگی نے منصبِ حکومت سنبھالا ۵۴۱ھ میں جعبہ کے محاصرے میں وہ شہید ہوئے تو حلب کا علاقہ آپ کے فرزند محمود کے تصرف میں آیا۔

نور الدین محمود بچپن ہی سے خوش ادا، متواضع، پرہیزگار، باوقار، سخی اور عبادت گزار تھے حکومت کا بوجھ کاندھوں پر پڑا تو اور زیادہ محتاط حساس اور فرائض کے معاملہ میں چوکس ہو گئے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں، ”خلفائے راشدین اور جناب عمر بن عبد العزیز کے بعد ان سے زیادہ سنت کا پیروکار، فرض شناس، بے نفس، فیاض اور درویش صفت حکمران کوئی نہیں گزرا۔ ہو بہو خلفاء راشدین کے نقشِ قدم پر تھے۔ فقہا سے فتویٰ لیا کہ بیت المال سے کتنی تنخواہ لینی جائز ہے۔ انہوں نے گزارے کیلئے جتنی رقم تجویز کی اس سے زیادہ ایک کوڑی نہ لی۔ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں کے ساتھ افطار فرمایا کرتے تھے۔ گھر بھر میں آپکی سیرت سے قائم شدہ فضا کا یہ اثر تھا کہ سب اطاعت و عبادت میں دلچسپی لیتے تھے۔ ایک روز آپکی اہلیہ نے گریہ وزاری سے برا حال کر لیا۔ پوچھنے پر بتایا، رات آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے وظائف رہ گئے ہیں، اس لئے افسوس کر رہی ہوں۔ آپنے فوراً ایک طبل خانہ بنوایا اور بھاری تنخواہ پر ایک ملازم رکھا ”تاکہ وہ شب زندہ داروں کو، رات کے وقت طبل بجا کر جگا دیا کرے۔ حضرت یافعی فرماتے ہیں،

جناب نورالدین محمودؒ ان سات سو اولیاء کرام میں سے تھے جن کا تعلق ابدال اور غوث کے ساتھ ہوتا ہے،،۔ اس لحاظ سے آپ شاہی لباس میں بلند روحانی پائے کے مالک تھے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ طبیعت و مزاج میں کوئی نخوت نہ تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ پر دعوی کر دیا۔ آپ بلا تردد قاضی شہر زوری کی عدالت میں پہنچ گئے اور مجرموں کے کٹہرے میں مدعی کے برابر کھڑے ہو گئے۔ بعد میں آپکے خلاف کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا اور آپ کو بری کر دیا گیا، مگر آپ نے کسی کارروائی کا بُرا نہ منایا، نہ مدعی کو سخت سُست کہا۔

آپ میدان جہاد کے غازی اور اسلام کے نڈر سپاہی تھے۔ خود کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رکھتے۔ اس مقصد کیلئے روزانہ چوگان کھیلتے تھے۔ اس کھیل میں اتنے ماہر اور شہسواری میں اس قدر طاق تھے کہ گیند کو ضرب لگا کر گھوڑے کو تعاقب میں دوڑا دیتے اور راستے ہی میں گیند کو ہاتھوں میں دبوچ لیتے۔ کسی نے آپکی عظمت، باوقار شخصیت کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کھیل پر اعتراض کیا، آپ نے جواب دیا اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ میں لہو و لعب، لذت نفس اور وقت گزاری کے خیال سے نہیں، بلکہ خود کو جہاد کیلئے ہمہ وقت تیار رکھنے کی نیت سے کھیلتا ہوں، اور گھوڑوں کو سدھانا بھی مقصود ہوتا ہے۔

اسی حسن نیت کا اثر تھا کہ غیب سے امداد ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ نے ایک امیر انگریز کو قید کر لیا۔ پھر اپنے مصاحبوں سے مشورہ لیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپکی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اسکے بدلے میں زر خطیر آیا جس سے آپ نے غرباء کیلئے خیراتی ہسپتال تعمیر کرایا۔ مگر اس واقعہ میں حیرت کا پہلو یہ ہے کہ وہ بادشاہ اپنے ملک میں پہنچتے ہی مر گیا اس طرح مسلمانوں کو یہ ہسپتال مفت میں مل گیا، یہ سب نصرت الٰہی اور سلطان عادل کے حسن نیت کی برکت تھی۔

حق پسند بادشاہوں کی طرح آپ سیاسی مصلحتوں کے نام پر بے راہ روی کے

قائل نہیں تھے۔ نہ ہی خود کو حکومت کا ستون سمجھتے جسکے بغیر کاروبار مملکت چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح شرعی آداب کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ غلط بات سن کر فوراً ٹوک دیتے۔

ایک مرتبہ آپ نے بھری مجلس میں فرمایا: ہم نے ہمیشہ شہادت کی تمنا کی ہے۔ بارہا ایسے مواقع بھی آئے، مگر یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ قسمت اچھی ہوئی تو یہ عزت مل ہی جائے گی،، قطب الدین نیشاپوری پاس ہی بیٹھے تھے، انہوں نے کہا:

" یا امیر! آپ ایسا نہ کہیں، آپ چلے گئے تو ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔"

سلطان کو یہ جملہ بہت بُرا لگا۔ برافروختہ ہو کر کہا:

" میں کون ہوتا ہوں، جسکے سہارے یہ کاروبار چل رہا ہے: سب کچھ مدبر و ناظم ملک کے دست قدرت میں ہے۔ وہی اپنے دین اور بلاد کا مالک ہے، میں آئندہ تمہاری زبان سے یہ جملہ کبھی نہ سنوں" اور پھر رو رو کر آپ کی حالت غیر ہو گئی۔

"آپ کے کسی عامل نے لکھا، سیاسی مصلحت کی خاطر تعزیر و سزا کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے، ہر جگہ تو گواہی میسر نہیں آسکتی۔" آپ نے جواب دیا، "خدا نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے، اسلامی شریعت کی شکل میں نظام زندگی دیا ہے، جو اپنی جگہ مکمل اور انسانیت کے لئے کامل رہنما ہے۔ اگر سیاسی مصلحت کے نام پر آزادی کی گنجائش ہوتی تو خدا تعالیٰ اپنے لافانی قانون میں ضرور یہ شق بھی شامل فرما دیتے، مگر شامل نہیں فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کامل ہے، اب جو اس میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ گویا اسے ناقص سمجھتا ہے،،

اس لئے آئندہ ایسی احمقانہ تجویز میرے سامنے پیش نہ کرنا:

جناب نورالدین سیرت کے لحاظ سے اتنے صالح اور درویش ہونے کے باوجود ایک ذی شان اور پر جلال حکمران تھے، اپنے وقت کے بڑے بڑے جرنیل آپ کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے۔ اسد الدین شیرکوہ آپ کا منظور نظر اور مقرب ترین جرنیل تھا، حکومت کے معاملات میں بھی بہت زیادہ عمل دخل رکھتا تھا، سلطان کو معلوم ہوا کہ

شیرکوہ اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاکر لوگوں کی املاک غصب کر رہا ہے، آپ نے فوراً ایک دار العدل قائم کرنے کا حکم دیا۔ جس میں ہر خاص و عام کے لئے اذنِ عام کی گنجائش رکھدی۔ شیرکوہ نے قیام عدل کے یہ تمام انتظامات مکمل ہونے سے پہلے ہی لوگوں کی جاگیریں واپس کر دیں اور ہر طرف سے اپنی پوزیشن صاف کر کے بیٹھ گیا۔

جب دار العدل قائم ہوگیا تو سلطان نے عرصہ دراز تک اس میں فیصلے کئے مگر شیرکوہ کے خلاف کوئی مقدمہ نہ آیا۔ جس سے سلطان کو تعجب ہوا، قاضی صاحب نے بتایا!

"آپکے خوف سے شیرکوہ نے پہلے ہی تمام مغصوبہ جائدادیں لوٹا دی ہیں"

سلطان اظہار تشکر کے لئے سجدے میں گر گئے۔

یہی سلطان جس کے سامنے شیرکوہ جیسے بلا اجازت بیٹھنے کی جرأت نہ کرتے تھے وہ اہل علم، اصحاب فقہ و دین کا اتنا شیدا و قدردان تھا کہ جب کوئی عالم و فاضل تشریف لاتے۔ تو اٹھ کر استقبال کرتا، اور اپنی جگہ پر بٹھاتا۔

ایک دفعہ نیساپوری نے آپ کے سامنے کسی عالم کی غیبت کی۔

سلطان نے فرمایا۔ اگر تم سچے ہو، اور اس عالم میں واقعی یہ خامی موجود ہے تو بھی اسکو خسارہ نہیں کیونکہ اسکے پاس اتنی نیکیاں ہیں کہ وہ اس خامی کا کفارہ بن سکیں گی مگر تم نے جو غیبت کی ہے، اس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس نیکیوں کا کوئی انبار نہیں ہے،، اس لئے یاد رکھو! آئندہ کسی کی غیبت نہ کرنا، ورنہ سخت سزا دوں گا۔

جب کسی عالم کو نوازنے کا وقت آتا تو سراپا نیاز بن جاتے، کہ

"اہل علم و اصحاب خلوص کی برکت ہی سے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ خزانے عطا فرمائے ہوئے ہیں، ان خزائن میں ان کا حق سب سے زیادہ ہے، اگر یہ اتنی سی چیز سے راضی ہو جائیں تو انکی بندہ پروری اور مہربانی ہے، ہم ان کی کیا خدمت کر سکتے ہیں"

گندمی رنگ کے ساتھ، تیکھے نین نقش رکھنے والے سلطان نور الدین نہایت خوش جمال، شیریں نظر، بلند قامت، علم دوست، مجاہد، عالی حوصلہ، سنی، اور متواضع و پر ہیبت تھے، آپ کی ڈاڑھی گھنی نہیں تھی، بلکہ صرف ٹھوڑی تک محدود تھی۔ پیشانی پر نور جلال تاباں تھا۔

انکے ظاہری و باطنی اوصاف احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔

وله من المناقب والمآثر ما يستغرق الوصف

سب سے پہلے آپ نے صلیبی جنگوں میں حصہ لیا، اور بیت المقدس پر فتح پائی، انگریزوں نے کہا: سلطان نے حرب و ضرب اور آلات و افواج کے ساتھ نہیں، بلکہ دعا و عبادت اور خلوص و نیک نیتی کے ساتھ فتح پائی ہے۔

۵۶۹ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

ان الدعاء عند قبره مستجاب ولقد جربت ذالك فصح (ابن خلکان ۲ تعارف ۶۸۶)

آپکی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے، میں نے تجربہ کیا تو صحیح پایا

سازش کا پس منظر

اسلام کے کوکب اقبال کا عروج و کمال دیکھ کر گردش دوراں تو سہم ہی گئی تھی۔ یہود و نصاریٰ بھی اپنی چالاکیوں اور سازشوں کے باوجود اس کی عظمت و ترقی کے پھریرے چار دانگ عالم میں لہراتے دیکھ کر، بلوں میں دبک گئے تھے، پانچویں صدی ہجری میں جب ان اسلام دشمن اہل مذاہب نے، عباسی خلافت پر زوال و ادبار کے سائے لہراتے دیکھے، تو یہ بوتل کے جن کی طرح لہرا کر باہر نکل آئے، اور اپنی بکھری ہوئی طاقت منظم کر کے مسلمانوں سے وہ علاقے واپس لینے کی تگ و دو شروع کر دی جو مسلمانوں نے دور ترقی میں فتح کر لئے تھے، چنانچہ ۴۹۰ھ میں انہوں نے بیت المقدس پر غلبہ حاصل کر لیا، اور فتح کے نشے میں وہاں کے باشندوں کو جس وحشت و سفاکی کے ساتھ ذبح کیا وہ تاریخ بہیمیت کا ایک خونی اور نہایت لرزہ خیز باب ہے، اس زمانے میں ان مذہب

مذہب پرستوں کے فریب سے تہذیب دنیا ننگی اور انسانیت کان لپیٹ کر نکل گئی۔

چھٹی صدی ہجری میں یہ سیاسی کشمکش انتہائی عروج پر پہنچ گئی، عیسائی حکمرانوں نے صلیب کے نام پر متحد ہونا، اور عوام کو جنگ کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا، مقدس جنگ کے نام پر سارے یورپ میں تہلکہ مچ گیا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے جنگ کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا، جب اسلام کے خلاف یہ سیلاب بلا اٹھ رہا تھا اس وقت مصر میں عبیدی خاندان کی حکومت تھی جو قوت و شوکت کھو کر زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی، اور ۵۶۷ھ میں ختم ہو گئی، اسکے آخری خلیفہ العاضد نے جب محسوس کیا کہ پورے یورپ کا مقابلہ اسکی بساط سے باہر ہے، اور بغداد کی عباسی حکومت بھی اس امڈتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے، تو اس نے سلطان نور الدین العادل المحمود زنگی کو لکھا کہ وہ صلیبیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوں۔

سلطان کو اللہ تعالیٰ نے اس دور زوال میں تثلیث پرستوں کے ساتھ ٹکر لینے کی سعادت عطا فرمائی چنانچہ نو لاکھ صلیبیوں کے ساتھ آپ کا تصادم ہوا جسکی آہنی اور عددی قوت کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ سلطان نے پاش پاش کر دیا۔ ع

اہل صلیب کا نشہ ہرن ہو گیا، اور وہ جان گئے ابھی مسلمانوں کے فولادی بازوؤں میں دم خم ہے اور حیدری قوت کے وارث، انکی کمر ہمت توڑ سکتے ہیں سلطان پیشقدمی جاری رکھ کر بیت المقدس واگزار کرانا چاہتے تھے، مگر موت نے مہلت نہ دی، سلطان معظم کی اس خواہش کی تکمیل چند سال بعد ۵۸۳ھ میں فاتح اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے کی اور بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔

مگر اس شان سے کہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اور ایک سو سال پہلے عیسائیوں نے اسی جگہ جس درندگی و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا اس کا کوئی انتقام نہ لیا، یہ اسلامی رواداری انسانیت دوستی، بلندی اخلاق اور تہذیب و شرافت کی ایسی مثال ہے، جسکے سامنے یورپ کا سر شرم و ندامت سے ہمیشہ جھکا رہے گا۔

روضۂ اطہر میں نقب زنی :-

یہ واقعہ چھٹی صدی ہجری کے اسی دور سے تعلق رکھتا ہے جب اسلام دشمنی کی مشترک قدر کو سامنے رکھ کر عیسائی حکمران متحد ہو رہے تھے ۵۵۷ھ میں انہوں نے اسی سلسلہ میں سازش کی کہ مسلمانوں کے نبی کریم کا جسم مبارک روضہ اطہر سے نکال لیا جائے، کیونکہ یہی وجود مسعود مسلمانوں کی محبت کا مرکز، ان کی طاقت و روحانیت کا سرچشمہ اور کامیابی کا راز ہے، اس مقصد کے لئے انہوں نے دو مغربی عیسائی منتخب کئے اور سمجھایا کہ مدینہ طیبہ جاکر روضہ پاک کے قریب کوئی مکان کرائے پر لے لیں، اور نقب لگا کر تربت شریف تک پہنچ جائیں، اور اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں بے شمار زر و جواہر دے کر یہ دونوں شخص مغربی حاجیوں کے بھیس میں مدینہ طیبہ آئے اور روضۂ اطہر کے قریب ہی ایک مکان حاصل کر لیا۔ مساکین و غرباء اور ناداروں کو انہوں نے اس طرح نوازا کہ وہ انہیں اپنے شہر میں رحمت کا فرشتہ سمجھنے لگے، جب ان کو یقین ہو گیا کہ اہل مدینہ کو ان کی ذات کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو گیا ہے تو انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ رات کو سرنگ کی کھدائی کرتے اور مٹی چرمی تھیلوں میں بھر کر رکھ لیتے، صبح باہر نکلتے اور جنت البقیع کی زیارت کے بہانے یہ مٹی وہاں پھینکتے اور دن بھر روضہ اطہر پر گزار دیتے۔

ان کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، تا آنکہ یہ سرنگ روضۂ اطہر کے قریب پہنچ گئی۔ اس رات بجلی اس زور سے کوندی جیسے زمین کا سینہ چیر دے گی، اور اتنا زبردست زلزلہ آیا جیسے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے

ایک رات سلطان نور الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا۔

قرار قلب حزیں، پیکر نور مبین، امام الاولین والآخرین، سرور کائنات، رحمت عالمیاں، نبی الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ و بارک وسلم تشریف لائے، طلعت زیبا پہ جلال کے آثار نمایاں تھے، آپ نے قہر آلود نگاہوں سے دو

سرخ منزوی شخصوں کی طرف دیکھا، اور سلطان کو حکم دیا۔

"ان سے بچاؤ، یہ مجھے تنگ کر رہے ہیں"

یہ ہوشربا اور حیرت انگیز خواب دیکھ کر سلطان پریشان ہوگیا، اسکی تعبیر و تاویل سمجھ میں نہ آئی، پھر آنکھ لگی تو یہی منظر دیکھا۔ تیسری بار بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اب تو سلطان کو یقین ہوگیا کہ واقعی کوئی بات ہے، اسی وقت اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو بلایا، جو خلق و سیرت میں سلطان ہی کا چربہ تھے۔

"بار بار آنے والے خواب سے مطلع کیا،" وزیر نے کہا: مدینہ طیبہ میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے آپ کسی قسم کی تاخیر کے بغیر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو جائیں، تاکہ آقا علیہ السلام کے فرمانِ مبارک کے خلاف نہ ہو، میں بھی احتیاط کے طور پر کچھ فوج اور مال و اسباب لے کر آپکے پیچھے پہنچ جاؤں گا۔ سلطان نے چند ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی راہ لی، سولہ روز بعد یہ مختصر سا قافلہ منزلِ مقصود پر پہنچ گیا، سلطان نے سب سے پہلے اپنے آقا و مولا نبی مختار رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری دی، صلوٰۃ و سلام کے مہکتے پھول پیش کئے اور حیران ہو کر بیٹھ گیا کہ کارروائی کا آغاز کس طرح کرے؟

وزیر جمال الدین نے دریافت کیا، "کیا آپ ان دو سرخوں کو پہچان لیں گے، جن کو آپ نے خواب میں دیکھا تھا"

سلطان نے اثبات میں جواب دیا۔

جمال الدین نے فوراً اعلان کرا دیا کہ سلطان دربارِ رسالت کی حاضری کے لئے آئے ہیں، اور اپنے دستِ مبارک سے تمام اہلِ مدینہ کو عطایا و ہدایا سے نوازنا چاہتے ہیں، لہذا تمام لوگ آئیں، اور سلطان کے دریائے جود و کرم سے حصہ حاصل کریں۔"

سلطان نے آنے والوں کو مال بانٹنا شروع کر دیا، ہر سائل کو غور سے دیکھتے رہے، مگر مطلوبہ لوگ نظر نہ آئے، بڑی تشویش ہوئی، آخر وزیر نے چھان بین کی، پتہ

باقی اگلے صفحہ پر

واقعہ خسف

یہ ہراس آگین اور اندوہناک واقعہ علامہ سید شریف نور الدین علی سمہودی (م ۱۰۵۶ھ) نے اپنی مشہور تاریخی کتاب وفاء الوفاء میں "تاریخ بغداد لابن النجار"، ابن سعدون اور محب طبری کی الریاض النضرہ سے بیان فرمایا ہے۔

عبیدی حکومت کے چھٹے حکمران الحاکم (۳۸۶ - ۴۱۱ھ) کے عہد میں کچھ شرارت پسند اور بے دین عناصر کو فتنہ آرائی کی ایک عجیب تدبیر سوجھی، جس نے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اور وہ بے قرار ہو کر فتنہ پردازوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں

(بقیہ مضمون صفحہ گزشتہ)

چلا کہ دو مغربی حاجی روضہ شریف کے جوار میں رہتے ہیں، وہ نہیں آتے لوگوں نے بتایا، "وہ تو خود بڑے دولت مند اور فیاض ہیں، اہلِ مدینہ کو انہوں نے مالا مال کر دیا ہے، وہ آکر کیا لیں گے؟"

مگر وزیر نے حکم دیا، انہیں بھی ضرور لایا جائے، سلطان نے ان کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، ان کی ظاہری حالت اتنی شاندار اور بزرگانہ تھی کہ شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی، مگر سلطان خواب میں ان کی حیثیت دیکھ چکا تھا۔ لہذا ان کی رہائش گاہ پر پہنچا، وہاں بھی کتابوں اور مشکیزوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا، مگر جونہی ایک جگہ مصلی اٹھایا، نیچے سے سرنگ نظر آگئی، یہ دیکھ کر سب کے ہوش اڑ گئے اور رنگ فق ہو گئے۔

بازپرس کرنے پر ان دونوں نے ساری سازش سے آگاہ کر دیا، سلطان اتنا رویا کہ حد نہ رہی۔ پھر ان کو قتل کر دیا، اور روضہ اطہر کے اردگرد خندق کھدوا کر، پاتال تک اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا۔ تاکہ آئندہ کے لئے اس قسم کے خطرے کا امکان ہی نہ رہے۔ یہ اتنی بڑی خدمت تھی جس کو انجام دے کر سلطان کی خوشی کی حد نہ رہی، اور اس نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ایسی عظیم خدمت اس کو سونپی گئی اور حضور علیہ السلام نے اس کام کے لئے اس کو منتخب کیا۔

کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ:- ع۵

کچھ زندیق اور بے دین لوگ حاکم کے پاس آئے، اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ مدینہ کی طرف ساری مخلوق کا رجوع ہے۔ تم مصر میں ایک مقبرہ تیار کرا کے روضۂ اقدس کے مکینوں کے اجسام یہاں منگا کر دفن کر دو، اس طرح ساری اسلامی دنیا میں تیرا شہرہ ہو جائے گا اور لوگ زیارت کے لئے یہاں آنا شروع کر دیں گے۔

فسادی ذہن اور بے دین طبیعت رکھنے والے حاکم کو یہ بات بھا گئی، اس نے ایک شاندار مقبرہ تیار کرنے کے احکام جاری کر دیئے، شب و روز کی مسلسل محنت کے بعد بہت جلد ایک مقبرہ نما عمارت وجود میں آ گئی، اب نازک ترین مرحلہ اگلا تھا، اس کام کے لئے اس نے ایک شخص کو تیار کیا جس کا نام ابوالفتوح تھا،

ابوالفتوح اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جب اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لئے مدینہ طیبہ پہنچا تو اسکا ارادہ معلوم کر کے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی، اور پروانہ وار اُمڈ آئے، اور اس مذموم ارادے سے روکا۔ لوگوں کی محبت و ارفتگی اور بے مثال عقیدت دیکھ کر ابوالفتوح کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ ایک انتہائی ذلیل حرکت کے لئے آمادہ ہو کر آیا ہے۔

اس نے عوام کے خوف سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ مگر ابن سعدون لکھتے ہیں کہ لوگوں نے مشتعل ہو کر اسکے تمام ساتھیوں سمیت اسے قتل کر دیا۔

ع۵ حاشیہ

مصر میں عبیدی حکومت ۲۶۲ھ میں قائم ہوئی، اور ۵۶۷ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا اس کے کل چودہ حکمرانوں نے حکومت کی، جو سب شیعہ تھے، اور فاطمی خلفاء کہلاتے، مگر علامہ سیوطی نے ان کی حکومت کو الدولۃ الخبیثہ کے نام سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان کا نسبی طور پر اس عظیم ہستی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا، بلکہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی عقیدت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی خاطر انہوں نے یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس خاندان کے ایک حاکم،

باقی حاشیہ آگے

محب طبری کی روایت ہے۔

اس وقت روضۂ اقدس کے خادم خاص حضرت شمس الدین صواب تھے، جو خدمت کے تمام فرائض انجام دیتے تھے، ایک روز ان کے دوست نے آکر بتایا، آج امیر کے پاس کچھ لوگ آئے تھے انہوں نے امیر کو آمادہ کر لیا ہے کہ روزۂ اقدس سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اجسام مبارک نکال کرلے جائیں، شیعہ ہونے کی وجہ سے امیر نے یہ بات مان لی ہے۔ اور انہیں اجازت دیدی ہے کہ رات کے وقت آکر اپنے مقصد کی تکمیل کر لیں اب کچھ ہی دیر بعد امیر کے احکام آپ تک پہنچ جائیں گے۔

بقیہ حاشیہ

عزیز عبیدی نے اندلس کے اموی خلیفہ کی ہجو کہی اور اس کے نسب پہ نامناسب اعتراضات کئے، اموی خلیفہ نے جواب دیا۔ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا، اس لئے تو نے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری ہجو کہتے۔ یہ انتہائی ذلت آمیز جواب تھا، جس میں ان کے مجہول النسب ہونے پر کھلی تعریض تھی مگر العزیز عبیدی اس کا کوئی جواب نہ دے سکا جو ان کے فاطمی نہ ہونے کا کھلا ثبوت ہے

عباسی خلیفہ القادر نے بھی اسی قسم کی ایک دستاویز تیار کی تھی جس میں تحریر تھا کہ عبیدی حکمران نسبی لحاظ سے فاطمی نہیں ہیں۔

اس خاندان کا چھٹا حکمران الحاکم، بڑا ہی خبیث النفس، بد نہاد، شیطان سیرت اور بندہ ہوس تھا، امام سیوطی نے اسکے متعلق چند الفاظ میں سب کچھ بیان کر دیا ہے۔

والحاکم بامر ابلیس لا بامر اللہ وناھیک بما فعل [تاریخ الخلفاء ۳۹۵]

(خود کو حاکم بامر اللہ کہلانے والا حقیقت میں حاکم بامر ابلیس تھا، اسکی ابلیسیت سے آگاہ ہونے کے لئے وہی کچھ جان لینا کافی ہے، جو اس نے کیا۔)

واقعہ خسف اسی کے دور اقتدار میں پیش آیا، جو اسکی خباثت و بد باطنی اور اعتقادی گندگی کا زندہ ثبوت ہے۔ اور اسکے ماتھے کا وہ سیاہ داغ ہے جو کسی پانی سے نہیں دھویا جا سکتا۔

حضرت صواب نے جب یہ بات سنی تو غم سے نڈھال ہو گئے، سب کچھ بھول گیا اور آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، اتنے میں امیر کا فرستادہ آیا کہ اگر رات کو کچھ لوگ آئیں تو آپ روضۂ اقدس کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں اور انہیں کسی بات سے نہ روکیں۔ اس حکم نے یقین دلا دیا کہ بات سچی ہے اور واقعی یہ منصوبہ تیار کر لیا گیا ہے رونے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا، لہذا بلک بلک کر رونے لگ گئے، تن بدن کا ہوش نہ رہا، رات ہوئی تو حرم شریف کا دروازہ کھٹکا، یہ اٹھے اور دروازہ کھولا، باہر کچھ لوگ اوزار اور شمعیں لے کر کھڑے تھے، انہوں نے اندر آنا شروع کر دیا چونکہ جناب صواب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر چوٹ لگی ہوئی تھی، ان کے عزائم سے آگاہ تھے اس لئے ان کو گننا شروع کر دیا، وہ چالیس آدمی تھے۔ ابھی حجرہ شریف کے نزدیک بھی نہیں پہنچے تھے۔ کہ جناب صواب نے وہ منظر دیکھا جو ہوشربا اور عبرتناک تو تھا مگر جناب صواب کی منشاء و آرزو کے عین مطابق تھا۔ حضرت صواب کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور بے قرار دل تسکین پا گیا۔

ہوا یہ کہ وہ چالیس بدکردار ناپاک قدموں کے ساتھ روضۂ اطہر کے قریب پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ زمین پھٹی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس میں سما گئے، اور نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

جب صبح اہل مدینہ کو حقیقت حال کا علم ہوا تو انہوں نے اللہ کریم کا شکر ادا کیا اور اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں صلوٰۃ والسلام کے پھول پیش کرنے کے لئے پروانہ وار امڈ آئے یہ

ان کے لئے عید سے کئی گنا بڑھ کر خوشی کا دن تھا، جسے انہوں نے روضہ اقدس پر حاضری دے کر منایا ان لوگوں کے زمین میں دھنسنے کی جگہ پر ایک پختہ نشان بنا دیا گیا تاکہ اس عبرتناک واقعہ کی یاد تازہ رہے، اور اہل دل اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اعجاز سے واقف ہوتے رہیں، چنانچہ آج تک وہ عبرت کا نشان موجود ہے، جو دھنسنے والوں کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی

شیخ ابن عبدالوہاب نجدی، بارہویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں، نجد کی سنگلاخ زمین میں جنم لینے والا، وہ طباع و مشہور شخص ہے، جس کی ذہانت، تعلیمات، شخصیت اور مخصوص عقائد سے متاثر وہابی گروہ، اسے اپنا امام و پیشوا مانتا اور سربراہ و مقتدا تسلیم کرتا ہے، اسی شخص نے تقریباً دو صدیاں پہلے اپنی قوت اختراع اور زور فطانت کے بل بوتے پر وہابی گروہ کو اپنی تعلیمات اور اپنے خیالات و افکار سے متاثر کیا اور امت سے جداگانہ وجود بخشا۔ اور مذہب، سیاست معاشرت اور زندگی کے ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ سیاست کے مضبوط ستونوں کو ہلا ڈالا، اور بدوی معاشرت کو ایک ایسے اندھے بہرے، بے اصول، رحمت خدا سے دور، نبی کے باغی، اسلام کے دشمن انقلاب کے خوفناک دہانے پر لا کھڑا کیا، جس نے قومی قوت کو تشتت و افتراق، تعصب و نفرت، غلط فہمی و حقارت کے دہکتے جہنم میں دھکیل دیا، جس کی آنچ میں آج بھی قومی اجتماعیت کی روح سسک رہی ہے، اور جذبۂ مودت و ایثار کی کراہیں اس وقت بھی سنائی دے رہی ہیں۔ لیکن نجد کے لگائے ہوئے ان چرکوں کا کوئی مداوا نہیں، اور چارہ گروں کے پاس ان چاک گریبانوں کو رفو کرنے کا کوئی طریقہ اور تدبیر نہیں، کیونکہ گھاؤ گہرے اور زخم پرانے ہیں۔

شیخ نجدی موصوف کے جن خیالات نے ساری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات مجروح کئے ان میں گنبد خضراء کی عمومی ہیئت، زیارت و فضیلت اور تقدس و احترام کے باب میں منفی خیالات بھی شامل تھے، مسلمانوں کے ایمان، ان کے جذبات و احساسات اور انکے لازوال عشق کی حسین روایات نے نجد کے

ان عقائد کو حیرت زدہ اور غضبناک نگاہوں سے دیکھا، اور سخت رنجش کبیدگی کی خاطر اور ناراضگی کا اظہار کیا، اور تنقید و تبصرہ اور تحقیق و استدلال کی مسلح یورش کے ساتھ نجد کے فکری قلعہ کو ہلا ڈالا۔

چونکہ اس کتاب کا محور اور موضوع گنبد خضرا ہے اس لئے شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت، تعلیمات اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالنے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ موضوع اس پہلو سے تشنہ نہ رہے کہ گیارہ سو سال بعد ایک شخص نے زیارت و احترام کے سلسلے میں نئے خیالات پیش کئے تو علماء نے کس انداز سے اس کی بیخ کنی کی اور مسلمان حکومتوں اور عوام پر کیا ردِ عمل ہوا۔

اس نازک موضوع پر اظہارِ خیال مشکل بھی ہے اور انتہائی احتیاط و ذمہ داری کا متقاضی بھی! اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا ہے، کہ شیخ نجدی صاحب کی زندگی، رجحانِ طبع، شخصیت اور ذاتی دلچسپیوں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ان کے زمانہ ظہور کا پس منظر، اس وقت کے سیاسی معاشرتی حالات اور نجد کے بارے میں ضروری باتیں بیان کر دی جائیں، پھر ان کی تعلیمات عقائد اور ان کے نتائج کے بارے میں کچھ لکھا جائے، تاکہ قاری خود اندازہ لگا سکے کہ شیخ نجدی صاحب کیا تھے، اور اسلام اور اہلِ اسلام کے لئے ان کا وجود کیسا تھا؟

یہ طویل اور دشوار راہ اس لئے اختیار کی گئی ہے تاکہ حقیقت و بصیرت کی راہیں کھلیں، اور موضوعِ گفتگو صرف مجادلہ بن کر نہ رہ جائے، بلکہ اگر کوئی جویائے حق، حقیقت کی تلاش میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہے تو سیاق و سباق، تعلیمات و اثرات ماحول اور ہر چیز کا جائزہ لے کر حق و صداقت کے آستانہ تک پہنچ سکے

سیاسی پس منظر

عباسی خلافت کی تباہی و بربادی نے مسلمانوں کی سیاسی شوکت و حشمت معاشرتی برتری اور تمدنی آفاقی کا خاتمہ کر دیا، ۶۵۶ھ میں تاتاری یورش کے سیلاب بے اماں کی تند و تیز اور منہ زور لہروں کے طوفانی بہاؤ میں روایاتی تفوق کی ہر شان، اور جلال و کمال کی ہر عجیب داستان تنکے کی طرح بہہ گئی۔ بغداد کی تاریخی عظمت تاراج کر کے، خود سر ہلاکو ممالک شام و عراق کی طرف بڑھا، وہاں کے باشندے بھی وحشت و بربریت اور قہر و آفت کی اس یلغار کو نہ روک سکے، اور سپر انداز ہو گئے، ہلاکو کی نخوت و رعونت کی انتہا نہ رہی، اسی عالم خود سری میں مصر کو لکھا کہ تاتاری فوج کے لئے اپنے پھاٹک کھول دے، ورنہ اسے موم و مگس کی طرح کچل دیا جائے گا۔

مصر میں خلافت کا احیاء

ہلاکو کے ظلم و ستم کی بیٹری بھر چکی تھی، اس لئے قدرت کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آگئی، اور خدائے توانا و بصیر نے اس فرعون کے لئے ایک عزم جلیل کا مالک موسیٰ پیدا کر دیا، جس نے اس کے پنجۂ ستم کو مروڑ ڈالا، اور بتا دیا کہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بات کرنے والے بھی ہیں۔

بدمست و مغرور اور فتوحات کے نشے میں چور تاتاری قوت سے ٹکر لینے والا یہ ایک مملوک فرمانروا محمود بیبرس تھا، جسے قدرت نے اتنا عزم و یقین اور جذبہ و حوصلہ بخشا کہ ٹڈی دل تاتاریوں کے ساتھ بھی نبرد آزما ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔

جس جفا پیشہ، جنگ جو اور تند خو قوم کو شکست دینے کا تصور ہی ذہنوں سے نکل چکا تھا اسے رمضان مقدس ۶۵۶ھ میں روزے کی حالت میں، عین جالوت کے مقام پر وہ تاریخی اور فیصلہ کن شکست دی جس نے تاتاریوں کی نہ صرف کمر توڑ دی، بلکہ ناقابل تسخیر ہونے کا غرور و سودا بھی خاک میں ملا دیا۔

اس شاندار قابل فخر کامیابی نے محمود بیبرس کو عظمت و اقتدار کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور وہ انعام ربانی کی بدولت ۶۵۹ھ میں مصر کا مقبول ترین، اور

جلیل ترین حکمران بن گیا۔

مسلمان خلافت کے بغیر خود کو سیاسی طور پر بے تنکوہ محسوس کر رہے تھے، خلافت بغداد کی تباہی کا داغ ان کے سینے پر سجا ہوا تھا، محمود بیبرس نے خود مختار حکمران ہونے کے باوجود بڑے خلوص کے ساتھ یہ داغ دھونے کا تہیہ کر لیا، اور اس سلسلہ میں عملی تدابیر شروع کر دیں، "تاکہ خلافت کا قیام دنیائے اسلام کے تمام مسلمانوں کو سیاسی نظم و اتحاد عطا کرے اور وہ اپنے آپ کو ایک عظیم قوت محسوس کرنے لگ جائیں۔

چونکہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے، اس لئے ایک ایسے ہی موزوں شخص کی تلاش کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں، آخر ایک عباسی شہزادے ابوالعباس احمد کا پتہ چل گیا، جو تاتاریوں کی وحشت کا شکار ہونے سے بچ گیا تھا، ۶۵۹ھ میں اسے مصر لا کر مکمل اعزازات کے ساتھ تختِ خلافت پر بٹھا دیا گیا، اور خود بیبرس نے اس کا نائب ہونا منظور کر لیا۔

اس طرح اس عالی ظرف، فرشتہ سیرت، بے نفس، پختہ مسلمان، نیک نہاد اور مخلص سلطان کی بدولت، اسلامی خلافت کا از سرِ نو احیاء ہوا، اور مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر خلافت کی برکات سے متمتع ہونے کا موقعہ مل گیا۔

مصر میں یہ خلافت سنہ ۹۲۳ھ تک قائم رہی، اس کے بعد ترکوں میں منتقل ہو گئی جنھوں نے سنہ ہجری ہی سے قوت حاصل کرنا شروع کر دی تھی، جس کی تفصیل یوں ہے۔

خلفائے آلِ عثمانؒ

آخری سلجوقی تاجدار علاء الدین ثانی کی وفات کے بعد ایک ترکستانی امیر طغرل نے سنہ ۶۹۹ھ میں حکومت حاصل کر لی، جس کے بعد اس کا پہلا بیٹا عثمان خاں اول، برسرِ اقتدار آیا، اسی کی آل نے سنہ ۱۳۴۲ھ تک بڑی شان و شوکت اور

وقار و دبدبے کے ساتھ حکومت کی، اور اپنے زریں کارناموں سے نہ صرف اسلام اور اہلِ اسلام کو فائدہ پہنچایا، بلکہ ابتدائی صدیوں کے زہد و تقوی، عدل و انصاف شجاعت و جذبۂ جانفروشی، اور اسلامی غیرت و حمیت کی یاد بھی تازہ کر دی۔

ترکوں کے دورِ حکومت کو اسی کے نام پر "خلافت آلِ عثمان" کہا جاتا ہے۔ تقریباً ساڑھے پانسو سالہ عہد حکومت میں، اس خاندان سے کل سینتیس فرمانروا ہوئے ہیں جن میں سے بعض اپنی للہیت، خلوص، فضل و کمال اور تقویٰ و درویشی کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھے۔ اور تاریخ میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔

سلطان مرادِ اول (۷۶۱ھ ۷۹۱) کے بعد بایزید یلدرم تختِ حکومت پر متمکن ہوئے، یہ اتنے جلیل المرتبت اور باحشمت تھے کہ مصری خلافت نے ان کی عظمت کے اعتراف کے طور پر انہیں "سلطان روم" کا لقب دے دیا، جو آخری فرمانروا تک جاری و قائم رہا۔

مشہور ترین سلاطین، سلطان مراد ثانی (۸۲۵ھ ۸۵۵) اور حضرت سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ ۸۸۶) نے بھی جلال و جمال اور ندرت فکر و عمل کے لازوال، گہرے اور درخشندہ نقوش چھوڑے، انکے بعد بایزید ثانی فرمانروا مقرر ہوتے۔

جب سلیم اول (۹۲۳ھ ۹۶۳) نے عنانِ اقتدار سنبھالی تو اس خاندان کے عروج و ارتقاء نے ایک نئی کروٹ لی۔ مصری خلافت جو محمود بیبرس کی برکت سے قائم ہوئی تھی اسے سلیم نے مصر سے قونیہ منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ سنہ ۹۲۳ھ میں وہ خلیفہ مصر کو اپنے دار الخلافہ میں لے آیا، جہاں خلیفہ محترم نے باضابطہ انتقال خلافت کی رسومات ادا کیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلوار اور چادر مبارک دی، علم پیش کیا، اور تمام تبرکات عطا کئے، جو اس وقت علامات خلافت متصور ہوتے تھے۔

اس طرح سلیم اول عالم اسلام کا خلیفہ بن گیا، اور سب نے اسے سیاسی

وروحانی مرکز ملت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا، اس کے بعد جتنے حکمران ہوئے وہ خلیفہ ہی منصور ہوتے رہے ۔ ۱۱۴۳ھ میں محمود خاں اول خلیفہ منتخب ہوا۔ اسی کے عہد میں شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے نجد میں وہابی تحریک کا آغاز کیا، اور اپنی تعلیمات کے سہارے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی، جس نے بعد میں ہونے والے تمام خلفا کے عہد میں افراتفری مچائی، اور آخری خلیفہ تک ہنگامہ آرائی کا یہ سلسلہ جاری رکھا، اس لئے بعد میں ہونے والے خلفا اور ان کا زمانہ معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ پتہ چل سکے وہابی تحریک میں عہد بعہد کیا ترقی آتی گئی، اور مسلمانوں اور حکمرانوں نے اسے کن نگاہوں سے دیکھا اور اس کے خلاف سیاسی، فکری، اور علمی میدان میں کیا ردِ عمل ہوا۔ اسی حقیقت کا جائزہ لینے کی خاطر عالمِ اسلام کے سیاسی پس منظر کی یہ مختصر سی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

محمود اول (۱۱۴۳ھ ۱۱۶۸) کے بعد وہابیت سے برسرِ پیکار رہنے والے حکمرانوں کے نام یہ ہے۔

عثمان خاں ثالث	(۱۱۶۸ھ ۱۱۷۱)
مصطفیٰ خاں ثالث	(۱۱۷۱ھ ۱۱۸۷)
سلطان عبدالحمید خاں	(۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳)
سلیم خاں ثالث	(۱۲۰۳ھ ۱۲۲۲)
مصطفیٰ خاں رابع	(۱۲۲۲ھ ۱۲۲۳)
محمود خاں ثانی	(۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵)
عبدالمجید خاں	(۱۲۵۵ھ ۱۲۷۷)
عبدالعزیز خاں	(۱۲۷۷ھ ۱۲۹۲)
عبدالحمید خاں	(۱۲۹۳ھ ۱۳۲۶)
سلطان محمد خامس	(۱۳۲۷ھ ۱۳۴۷)

(ج) حجاز کے حکمران

آلِ عثمان کے عہدِ خلافت میں حجاز مقدس کا علاقہ، عثمانی خلافت ہی کے ماتحت تھا، اور مکہ مکرمہ کا حکمران ان ہی کا نائب نصب کیا جاتا ہے، جسے لوگ "شریفِ مکہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے، مکہ کے جن شریفوں کو وہابی تحریک اور ابن عبدالوہاب نجدی کی چیرہ دستی سے واسطہ پڑا ان کے اسماء یہ ہیں۔

مسعود بن سعید	(۱۱۴۶ھ ۱۱۶۵)
مساعد بن سعید	(۱۱۶۵ھ ۱۱۸۴)
احمد بن سعید	(۱۱۸۴ھ ۱۱۸۶)
سرور بن مساعد	(۱۱۸۶ھ ۱۲۰۲)
غالب بن مساعد	(۱۲۰۲ھ ۱۲۱۸)

(د) نجد کے سردار

عالمِ اسلام اور حجاز مقدس کے بعد نجد کے سیاسی حالات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ نجد ہی سے شیخ ابنِ عبدالوہاب نجدی نے اپنی تحریک کا آغاز کیا، اور اسے مرکز بنا کر پورے عرب میں اس کی شاخیں قائم کیں۔

نجد حجاز ہی کے پہلو میں جبل سلمہ، جبل شمار، کوہِ طوائق اور کوہِ عجا میں گھرا ہوا سنگلاخ علاقہ ہے۔ جس کے مشرق میں خلیجِ فارس، مغرب میں سرزمین حجاز، جنوب میں بحیرہ قلزم اور شمال میں عراق کی سرحد واقع ہے، یہ زمین کا وہ تاریخی خطہ ہے جسے ادلیں مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب کو جنم دینے کا فخر بھی حاصل ہے۔

جس زمانے میں ابن عبدالوہاب نجدی نے اس قدیم تاریخی جگہ میں جنم لیا اسوقت ایک شخص نہایت مختصر سے علاقے کا سردار تھا، ابن سعود کا سوانح نگار سردار محمد الی بنم

طراز ہے۔

اس وقت اجداد ابن سعود میں سے مکرن ایک نہایت مختصر علاقے پر حکمران تھا، یہاں تک کہ عیینیہ کا شہر جو کہ اس کے دارالخلافہ درعیہ سے صرف بیس میل کے فاصلے پر تھا، اس کے زیرنگیں نہیں تھا، لیکن جب اس کا پوتا ابن سعود بن مکرن، شیخ ابن عبدالوہاب کا ہم خیال ہوگیا اور مذہب کے جوش واصلاح کی بنا پر اپنی امارت کی وسعت ورفعت چاہی تو بیس برس کے مختصر عرصہ میں سارا عرب وہابی حکومت کے سامنے سرنگوں ہوا[1]

ابن سعود کے بعد ابن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات ونظریات سے متاثر ہوکر اور اپنے اقتدار کے لئے مفید پاکر جو نجد کے سردار وہابیت کی ترویج واشاعت کے سرگرم رکن بنے، اور اسے عرب میں خوب فروغ دیا، اور اس کی بدولت ملک وحکومت کو وسعت دی، انکے نام یہ ہیں۔

محمد ابن سعود (۱۷۴۷ء ۱۷۶۵)

عبدالعزیز بن محمد (۱۷۶۵ء ۱۸۰۳)-۱۱۷۹ھ ۱۲۱۸

سعود بن عبدالعزیز (۱۸۰۳ء ۱۸۱۶) ۱۲۱۸ھ ۱۲۲۹

ان سرداروں کے عہد میں وہابیت کو بڑا شہرہ اور فروغ نصیب ہوا۔

ابن عبدالوہاب نجدی صاحب کے پیروکار، بلائے ناگہاں بن کر عرب کے طول وعرض پر چھا گئے اور گردونواح کے علاقوں کو اپنے عقائد کی ہلاکت آفرین ٹاپوں تلے روند ڈالا۔ لوگ سراپا احتجاج بن گئے تڑپے، سسکے، مگر وہابیوں کی بے اماں تلوار کو رحم نہ آیا، تاآنکہ حرمین شریفین کا لہو بھی ان کی خونخوار تلوار سے ٹپکنے لگا۔ خودسری وتعدی کی انتہا ہوگئی، ظلم وفساد کے خلاف فغان وفریاد کی آواز پائے عرش تک پہنچ گئی، صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، مظلوم وپُرتاثیر اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی عاجزانہ دعاؤں نے، فرشتوں کو بھی اشکبار کردیا۔ آخر یہ دعائیں اور

[1] سردار محمد حسن بی اے، سوانح ابن سعود ۹۵

فریادیں رنگ لائیں، انتقام کی لاٹھی حرکت میں آئی، قدرت نے ترکی سلطنت کو وہابیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت پر کاری ضرب لگانے، اور انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی توفیق عطا فرمائی۔

چند زبردستوں حملوں میں اس نئے مذہب کے دعویدار اور ابن عبدالوہاب کے پیروکار ملیامیٹ ہوگئے، ان کا نشان تک باقی نہ رہا، عوام نے سکھ کا سانس لیا، اور ان کی تباہی وفساد انگیزی سے نجات پائی، مگر ابھی عشق کے امتحاں باقی تھے، اس لئے سو سال بعد وہابی پھر اقتدار پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ مجمل داستان قدرے تفصیل سے پیش کی جاتی ہے۔



شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے (۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۳ء) میں نجد کی سرزمین میں جنم لیا، عہدِ طفولیت اور عنفوانِ شباب کی منزلیں یہیں طے کیں، جس سے نجد کے بدوی مزاج کی تمام خصوصیتیں اور شدتیں طبیعت میں راسخ ہوگئیں، اور قساوتِ قلبی، اکھڑپن، خشونت و خفگی اور تنگ مزاجی، شخصیت کا لازمہ بن گئیں۔

اندازِ گفتگو، عادات و اطوار اور طرزِ فکر نے طبیعت و شخصیت کے ان لوازمات کو اور اجاگر کردیا، جس کے باعث اہلِ نظر اور دور اندیش اصحاب نے اپنی خداداد بصیرت کے ذریعہ یہ خدشات ظاہر کرنا شروع کردیئے کہ ابن عبدالوہاب مستقبل میں کوئی نیا فتنہ کھڑا کرے گا، اس شخص کی باتوں اور عادتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ بے باک اور لاپرواہ ہے، اسے دینی حدود، نبوی حقوق اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کا کوئی پاس نہیں جو کچھ نوکِ زبان پہ آئے، وہ بے جھجک کہہ دیتا ہے، جو شرعی رو سے پسندیدہ بات نہیں، اور نہ سعادت و نیک بختی کی علامت ہے۔ اس لئے یہ ضرور کوئی گل کھلاکے رہے گا۔

ان خدشات کا اظہار کرنے والوں میں ابن عبدالوہاب کے اساتذہ کا نام سرِ فہرست اور نمایاں ہے۔ شیخ سلیمان کردی۔ حضرت علامہ محمد حیات سندھی اور دیگر شیوخ کہا کرتے تھے، "یہ شخص خود بھی گمراہ ہوگا، اور دوسروں کے لئے بھی ضلالت و شقاوت کا باعث بنے گا، اس میں الحاد و گمراہی کی نشانیاں بڑی واضح ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،

اشیاخه یتفرسون فیه الالحاد والضلال ویقولون سیضل هذا ویضل الله به من ابعده واشقاه فکان الامر کذالک [۲]

ابن عبدالوہاب کے والد بڑے صالح، مقبول اور صاحبِ نظر بزرگ تھے، جب انہوں نے بیٹے کے ڈھب دیکھے تو فکرمند ہوئے، اور اس کے طرزِ عمل، اندازِ نظر اور عادات و مشاغل کو بالکل پسند نہ کیا، اسے سمجھایا کہ راہِ ہدایت اختیار کرے، اور اہل اللہ کی تعظیم و مدح کو شعار بنائے کیونکہ مقبول بارگاہِ صمدیت حضرات کی بے ادبی بڑی نحوست و ناکامی کا باعث ہوتی ہے مگر اس تنبیہ و فہمائش اور پند و موعظت کا ابن عبدالوہاب پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی۔

رجحانات و عقائد

ایک خاص بات جو اسکے رجحانِ طبع اور قلبی میلان کی وضاحت و نمائندگی کرتی ہے اور ایک معنی خیز حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے یہ ہے کہ

کان فی اول امره مولعا بمطالعة اخبار من ادعی النبوة، کمسیلمة الکذاب، وسجاح، والاسود العنسی وطلیحة الاسدی [۳]

ابتدا میں ان جھوٹے نبیوں کے حالات جاننے کا بڑا اشتیاق تھا، جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا، جیسے مسیلمہ کذاب، اسود، سجاح اور طلیحہ وغیرہ۔ چنانچہ پہلو میں خاص جذبات دبائے، اس نے بلادِ شام و عراق، بصرہ اور ایران کے طویل دورے کئے معلومات اخذ کیں، تجربات کو وسعت دی، جس کے نتیجے میں ایک کتاب لکھی، جسے کتاب التوحید کہتے ہیں۔

کتاب التوحید، ابن عبدالوہاب کے قلب و جگر میں چھپے ہوئے عزائم کا آئینہ ہے اس کے مندرجات کے ذریعہ فوراً اندازہ ہوجاتا ہے کہ جھوٹے نبیوں کے حالات و واقعات میں دلچسپی لینے کا مقصد کیا تھا، اس کی ذاتی تحریروں کی روش ہی سے واضح

۲ے السید احمد بن زینی، الدرر السنیه، ۴۲ ۳ے سید زینی، الدرر السنیه، ۴۶۔

ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے غیر مشروط اور بڑی مطلق العنان اطاعت کا خواہشمند تھا، جس کے لئے اس نے اتنے پاپڑ بیلے اور اتنی تگ و دو کی۔ کتاب التوحید کے مضامین کے ہوتے ہوئے یہ کوئی الزام نہیں، جو کسی مخالف نے یونہی گھڑ دیا ہو۔ بلکہ اس دعوے کے ٹھوس اور ناقابل تردید شواہد خود کتاب التوحید میں موجود ہیں

اس کتاب میں ابن عبدالوہاب نے جن عقائد اور باتوں پر زور دیا ہے اور جن پر اپنے وہابی مذہب کی بنیاد رکھی ہے، وہ یہ ہیں۔

دنیا میں اب کوئی مسلمان نہیں، چھ سو سال سے سب مشرک چلے آ رہے ہیں۔

تمسک فی تکفیر المسلمین بآیات نزلت فی المشرکین فحملها علی الموحدین [۴]

(مسلمانوں کو کافر قرار دینے کے لئے بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات ان پر چسپاں کی ہیں)

ابن سعود کے سوانح نگار نے وہابیوں کے اس عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "نجدی وہابی اپنے عقائد مخصوصہ میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اپنے سوا دیگر مسلمانوں کو مشرک اور یہودی اور عیسائیوں سے بدتر سمجھتے ہیں" [۵]

وہابیوں ہی کے ہم مسلک مولانا حسین احمد مدنی صاحب لکھتے ہیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار، مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، انکے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز، بلکہ واجب ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے خود اس کے ترجمہ میں دونوں باتوں کی تصریح کی ہے" [۶]

ابن عبدالوہاب کا یہ عقیدہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس نے عملی طور پر بھی اس کا مظاہرہ کیا۔ اسی کا اثر تھا کہ لوگ اس کے حلقہ اثر میں آتے، وہ "ترک مسلمان کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمت دین جانتے تھے۔ عام مسلمان کو مشرک سمجھتے تھے، اور ان کے خلاف جنگ و پیکار کو جہاد کہتے تھے"، [۷]

ابن عبدالوہاب کو یہ ظالمانہ اور سنگدلانہ موقف اختیار کرنے کی ضرورت اس لئے پیش

---

[۵] حسنی، سوانح ابن سعود، ۹۵۔ [۶] الشہاب الثاقب، ۴۳۔ [۷] سوانح ابن سعود ۲۶۔
[۴] عبید ذہبی، الدرر السنیہ، ۴۷

آئی کہ لوگ مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، مسلمان کی جان لینے کے تصور ہی سے ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، شیخ نجدی نے یہ کہہ کر ان کی جھجک ختم کرا دی کہ یہ تمام لوگ مشرک ہیں، ان کو قتل کرنا گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ اس طرح جاہل دیہاتی اس کے جھانسے میں آ گئے، اور بے گناہ مسلمانوں کے حق میں سفاک خونخوار قاتل بن گئے۔

وکان یقول لهم انی ادعوکم الی الدین، وجمیع ما تحت السبع الطباق مشرک علی الاطلاق ومن قتل مشرکا فله الجنة فتابعوه وصارت نفوسهم بهذا القول مطمئنة [۸]

وہ اپنے ماننے والوں سے کہا کرتا تھا، میں تمہیں دین کی طرف بلاتا ہوں آسمانوں کے نیچے جتنے لوگ ہیں، وہ بلا استثنا مشرک ہیں، اور جو مشرک کو قتل کرے وہ جنتی ہے، یہ بات سن کر ان کے دل مطمئن ہو گئے، اور انہوں نے اتباع کی حامی بھر لی ظلم و فساد، تاخت و تاراج، اور خون خرابہ کرانے کے لئے وہ وہابیوں کو یہ کہہ کر بھی تسلی دیا کرتا تھا کہ یہ سب کچھ توحید کے لئے ہے، یہ ایسی آڑ تھی جس میں جاہل بدوی آسانی سے پھنس جاتے تھے۔

یتستر بقوله ان ذالک بدعة وانه یرید المحافظة علی التوحید [۹]

شیخ نجدی صاحب نے کتاب سنت اور تمام مسلمانوں کے نظریات و جذبات کے خلاف جو عقائد، اپنے مخصوص مفادات کی خاطر گھڑے اور اپنے خطبات، رسائل اور کتاب التوحید کے ذریعہ پھیلائے ان میں اکثر ایسے بھی تھے، جن کا معتقد حلقہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے جہاں جہاں کتاب التوحید پہنچی یا لوگوں کو اس کے خیالات کا علم ہوا، وہاں عام بے چینی پھیل گئی اور غم و اضطراب کی فضا قائم ہو گئی، مسلمانوں میں ان وضعی عقائد کا اتنا شدید رد عمل ہوا کہ تمام عالم اسلام، عرب و عجم ابن عبدالوہاب کا دشمن بن گیا۔

آخر کون مسلمان یہ گوارا کر سکتا تھا کہ کوئی بدزبان انکے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۸] درر سنیہ، ۴۲ [۹] درر سنیہ، ۴۱

کی حیات پاک کے بارے میں منفی انداز نہیں سوچے، یا قابل اعتراض کافرانہ گستاخانہ لہجہ اختیار کرے، آج تک کسی ایماندار، صاحب دل اور عشق صادق رکھنے والے مسلمان نے اس موضوع پر غلط انداز میں سوچنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا، نگاہ عشق و مستی میں اس موضوع پر غلط اور منفی رنگ میں اظہار خیال ایمان کی موت، اور شیوہ کافری تھا، اس لئے سب اس حقیقت کبریٰ سے آگاہ چلے آرہے تھے کہ اللہ کریم کے عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باکمال حیات کے مالک ہیں، جن کی قوتِ حیات کا یہ عالم ہے کہ ایک حیات بخش نگاہ تن مردہ میں تازہ روح پھونک دیتی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور اہل نظر اکابرین کا بھی مشاہدہ ہے، جو ان کے دستِ کرم سے جام حیات پی کر حیات جاودانی حاصل کر چکے ہیں۔

مگر ابن عبدالوہاب نجدی نے اس اجماعی اور قرآن و سنت سے ثابت عظیم اعتقادی نظریہ کے خلاف، عدم حیات کا شیطانی اور من گھڑت نظریہ پیش کیا، اس باب میں ایسا گستاخانہ لب و لہجہ اختیار کیا کہ مسلمانوں کے کلیجے چھلنی ہو گئے۔

ابن سعود کا سوانح نگار بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ

"دیگر مسلمان حیات النبی کا کامل عقیدہ رکھتے ہیں لیکن وہابیوں کا اعتقاد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عام انسانوں کی طرح اس دار فانی سے رحلت فرما چکے"[10]

دوسری جگہ رقمطراز ہے۔

"یہ تسلیم کر لینا نہایت ضروری ہے کہ، گو وہابی حیات النبی کے قائل نہیں، اور نہ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ و شفاعت کو مانتے ہیں"۔

"حیات النبی کے مسئلہ میں ان کا لب و لہجہ قابل اعتراض ہوتا ہے۔"

وہابیوں ہی کے ہم مسلک مولانا حسین احمد صاحب نے وہابیوں کے اس خوفناک اور ایمان سوز عقیدے کا ان لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

"نجدی اور اسکے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے، بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔"

۱۰ے سوانح ابن سعود، ص ۹:

آگے لکھا ہے۔

اور متعدد لوگوں کی زبان سے (یعنی وہابیوں کی زبان سے) بالفاظ کریہہ "جن کا زبان پر لانا جائز نہیں"، در بارہ حیات نبوی سنا جاتا ہے۔[11]

شیخ نجدی نے اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار اور جلیل و جمیل صفات کا بھی انکار کیا اور اس سلسلہ میں اپنے ماننے والوں کو مشورہ دیا کہ حضور اکرم، پاک و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اوصاف بیان نہ کیا کریں۔

لا ینبغی اوصافہ باوصاف المدح والتعظیم[12]

لائق نہیں ہے کہ آپ کے اوصاف، مدح و تعظیم کے ساتھ بیان کئے جائیں (العیاذ باللہ) اس سلسلہ میں نجدی کے خیالات اتنے گھناؤنے اور لرزہ خیز ہیں کہ نقل کرتے ہوئے بھی دل دہلتا ہے مگر اس توحید کے دعویدار نے انہیں اس طرح برملا اور بے خوف ہو کر بیان کیا ہے کہ یقین کرنا پڑتا ہے اسے قرآن کے فرمان کے مطابق ڈھیل دے دی گئی ہے۔

شیخ نجدی نے جو عقائد گھڑے، ان میں گنبد خضراء کی زیارت کو بھی حرام و شرک قرار دیا، مزارات پر گنبد کی تعمیر کو ناجائز بتایا، وسیلہ و شفاعت کے عقیدہ مسلمہ کا انکار کیا اور اسے شرک بنا ڈالا۔ ایصال ثواب، دعائے مغفرت و برکت، زیارت قبور اور اسی قسم کے اسلامی شعائر چھوٹے بڑے، اہم غیر اہم، مستحب، واجب فرض، ضروری غیر ضروری، سب کا یک قلم انکار کر ڈالا اور سب کے بارے میں فتویٰ صادر کر دیا کہ شرک و کفر ہیں

ایمان صرف یہ ہے کہ

پیر پیغمبر، مقبول بارگاہ اولیاء اللہ، نیک مقرب، اصحاب عظمت و جلال کو پرکاہ جتنی بھی حیثیت نہ دی جائے، مسلمانوں کو کافر و مشرک سمجھا جائے، ان کا بے دریغ خون بہایا جائے، جو اسلامی رسومات، شعائر، علامات، اطوار طریقے رائج ہیں سب کو ختم کر دیا جائے، نہ کوئی فاتحہ پڑھے نہ درود۔ یہی سمجھے کہ سب مر کر مٹی میں مل گئے

۱۱ے الشہاب الثاقب، ۹۵ - ۱۲ے خوارج قرن ۱۲، ۱۲۷

ہیں، جن کی قبور اور قبرستان پر جانے کی ضرورت ہے، نہ عظمت و شان اجاگر کرنے کی! دیکھنے والا یہی تاثر لے کہ مسلمانوں میں کوئی باکمال مردِ جلیل دقریب نہیں گزرا کہ اسکی یادگار قائم ہو۔ سب جاہل و ناکارہ ہوئے ہیں کہ اوصاف جلیل رکھتے ہی نہ تھے جنہیں بیان کیا جائے۔

عام مسلمانوں میں اس وضع و اختراع کے خلاف جو جوابی کارروائی ہوناتھی، وہ کسی کے تصور سے مخفی نہیں، ان مردود و باطل خلاف قرآن و حدیث و اجماع مخالف عقل و درایت اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر گھڑے ہوئے گھناؤنے خیالات نے ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کے قلب و روح میں آگ لگادی، ہر طرف طوفان مچ گیا اور نفرت و حقارت، غصہ و غم اور بے کلی و اضطراب کا ردِعمل تحریر و تقریر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ علماء نے نجدی کی کتاب و رسائل کے پرزور اور مدلل رد لکھے اور عوام نے اس ابھرنے والے فتنے کے خدوخال اور مضمرات سے آگاہ ہو کر اس سے مکمل طور پر اظہار برات کیا۔ جس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

(ز) مرزائے قادیان اور شیخ نجدی

کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ پھونکوں سے نورِ حق اور چراغِ ہدایت بجھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانے والے باطل کی سرشت اور طرزِ فکر ایک ہی ہے۔ مقام و مرکز بدلنے سے ان کے ہتھکنڈوں اور اطوار و عادات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ وہ ایک ہی انداز پر سوچتا اور یکساں خطوط پر چھانسے میں آنے والوں کو ٹھگتی دیتا اور ورغلاتا ہے یہ عجیب اتفاق یا سانحہ ہے، مگر ہے بہت دلچسپ!

کہ مرزائے قادیان نے جب اپنی جھوٹی نبوت کی ہموار کرنے کے لئے مسیح موعود ہونے کا سوانگ رچایا تو پہلے حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و توقیر دلوں سے مٹانے کے لئے کچھ ابتدائی اقدامات کئے۔ اول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ڈھنڈورا پیٹا، تاکہ ذہنوں سے ان کی حیات کا نقش مٹ جائے، اور اس دعوائے وفات کے کھنڈر پر اپنے لئے اس عظمت کا مینار تعمیر کیا جاسکے، ثانیاً، بیان و تحریر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک اور بے داغ شخصیت، پاکیزہ اخلاق معصوم ذات اور پسندیدہ و منفرد اوصاف و کمالات پر اتنے رکیک، واہیات، تہذیب و شرافت سے گرے ہوئے عیبناک حملے کئے، جن کے تصور ہی سے ایک مسلمان کا ایمان کانپ اٹھتا ہے۔ مگر اس نے بڑی شرح و بسط سے ان گھڑے ہوئے افسانوں کی تفصیل لکھی صرف اس خاطر کہ انکی عظمت و شخصیت کا تقدس مجروح کر سکے، اور جنسی بے راہ روی و بداخلاقی کے قصے تصنیف کر کے، دلوں کو ان کی طرف سے برگشتہ کر دے۔ اور پھر دلوں کے اس سنگھاسن پر خود قبضہ جمالے۔

مسیلمہ کذاب کے شہر کے باشی شیخ نجدی نے بھی مسیلمہ پنجاب کے ان ہی اطوار و اوضاع کو نجد کی سرزمین میں اپنایا۔

اول: حیات نبوت کا انکار کیا تاکہ مرکز عقیدت و محبت کی حیثیت سے عظمت و جلال کا وہ نورانی محل ہی ڈھے جائے، جو حیات کے تصور سے قائم و آباد ہے اور جسے مسلمان سینے اور آنکھوں میں سجائے پھرتے ہیں۔

ثانیاً: حضور نبی اکرم مکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش اور شان و فضیلت کے بیان سے روکا، ایسی باتیں آپکی طرف منسوب کیں جن سے نبوی عظمت کا پاکیزہ تصور مجروح ہوتا ہے اور رسالت کے عظیم و جلیل منصب پر فائز نبی کی تصویر ایسی ابھرتی ہے جیسے کوئی عام سا انسان ہو جس کے لئے تعظیم و توقیر ضروری نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کے ایمان و عقیدے اور نورانی جذبۂ عشق کے خلاف اس مکروہ سازش اور گھناؤنے منصوبے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے نبی اکرم کے ساتھ محبت کے روحانی رشتے کمزور پڑ جائیں، دلوں سے ان کی محبت کا نور نکل جائے، قرب و عقیدت کے درمیان اجنبیت کی دیوار حائل ہو جائے، مدینہ سے محبت کا رشتہ ٹوٹ جائے، اور نجد کے ساتھ استوار ہو جائے، اس لئے گنبد خضراء شریف کی زیارت کو اس نے بدعت و

حرام قرار دیا، اور اپنے پیروؤں کو تہدیدی انداز میں تنبیہ کی کہ وہ گنبدِ خضراء کی زیارت کے جرم عظیم کے ارتکاب کا تصور بھی نہ کریں، یہ اخلاقی جرم سے بھی بڑھ کر ہے۔

مدنی صاحب نے ان کے اس عقیدے کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"زیارتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، وحضوریِ آستانہ شریفہ،

وملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت وحرام لکھتا ہے۔

آگے لکھا ہے۔

بعض ان میں کے سفرِ زیارت کو معاذ اللہ تعالیٰ زنا کے درجے کو پہنچاتے ہیں۔[۱۳]

مرزائے قادیان اور شیخ نجدی صاحب کے اس یکساں طرزِ فکر اور طریقِ عمل سے بڑی آسانی کے ساتھ وہابیت کی اصلیت سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور اس موازنہ کے ساتھ وہابی عقائد کی حقیقت جان کر بہت اچھی طرح ایک خاص نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے۔

(۷) ابتدائے عشق

جب شیخ نجدی نے من گھڑت عقائد وخیالات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کر لیا جسکی طرف دعوت دے کر ایک جتھا تیار کیا جاسکتا تھا، تو اس نے باقاعدہ مہم چلانے کا منصوبہ تیار کیا اس مقصد کے لئے سب سے پہلے اس نے قریبی علاقے عیینیہ کے قبائلی سردار ابن معمر کو منتخب کیا اور آخر ایک روز اپنا پیغام لے کر اس کے پاس پہنچا۔

ابن معمر ان عجیب وغریب خیالات سے بہت حیران ہوا، مگر چونکہ بدوی ذہن وسرشت کا مالک تھا۔ پھر اسے اس نئے مذہب کے ذریعہ سیاسی استحکام وقوت حاصل ہونے کی کرن نظر آئی۔ اس لئے کچھ لیس وپیش کے بعد اس نئے وہابی مذہب کو قبول کر لیا۔

شیخ نے اس نئے مذہب کے سلسلے کی پہلی کڑی پر عمل کی یہ صورت تجویز کی کہ قرب وجوار میں صحابہ کرام کے جو مزارات ہیں وہ گرا دیئے جائیں، چنانچہ ایک روز کلہاڑے

[۱۳] الشہاب ثاقب، ۴۵، ۴۶

بیلچے اٹھا کر، اپنے زعم میں ایک عظیم مہم سر کرنے کیلئے "منزلِ شوق" کی طرف روانہ ہو گئے، جیسے قلعہ فتح کرنے جا رہے ہوں، یا کسی سرحد پر کفار کے ساتھ جہاد کے لئے، جوش وجذبے کے ساتھ رواں دواں ہوں۔ لیکن آلاتِ انہدام لے کر پہنچے کہاں؟ جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے "محبوب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم" کے مزارات تھے، جن کے بارے آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ ہدایت کے ستارے اور اندھیرے کے اجالے ہیں

بڑی بے دردی اور شقاوت وقساوتِ قلبی اور بے حرمتی کی تمام لازمی طوالتوں کے ساتھ مقدس ہستیوں کی آخری آرامگاہوں کو منہدم کیا، گنبد گرائے، نورانی قبریں مسمار کیں اور پھر فاتحانہ انداز سے واپس آئے۔

قرب وجوار میں جو اس کا ردعمل ہونا تھا۔ وہ پوری شدت کے ساتھ ہوا۔ مگر اس ابتدائی کارنامے سے سب کو معلوم ہو گیا کہ وہابی مذہب کا رخ کس طرف ہے؟ اور مسلمانوں کے قابلِ فخر اکابرین اور انکے مزارات وقبور کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں، اور یہ کس قسم کے لوگ ہیں جو دعوائے مسلمانی کے ساتھ، مسلمانی ہی کے شعائر مٹانے کے لئے بے قرار ومضطرب ہیں۔

حسنی بی اے، رقمطراز ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا پہلا قابلِ ذکر ہم خیال عثمان بن معمر والی عیینیہ تھا، شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ مزارات اور متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا، ابن معمر نے قبول کیا، دونوں ہم مشورہ ہو کر جبلیہ گئے، یہاں چند صحابیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارات تھے، دونوں نے مزارات مسمار کر دیئے، اور درخت کاٹ ڈالے۔[۱۴]

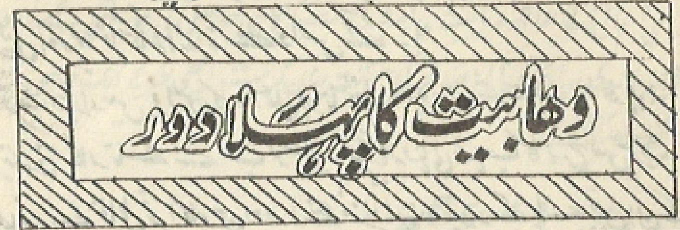
ابن معمر صوبہ الحساء کے حاکم سلیمان کے ماتحت تھا، جب اسے ابن معمر اور شیخ نجدی کے کرتوتوں کا علم ہوا تو اس نے ایمانی جذبات سے مغلوب ہو کر سخت بازپرس کی، اور حکم دیا نجدی کو فوراً علاقہ بدر کر دو، ورنہ سخت تادیبی کارروائی

[۱۴] ابن سعود، ۴۲

کی جائے گی۔

شیخ نجدی کے سر سے توحید کا سارا نشہ ہرن ہوگیا، اور خدا سے ڈرنے کی بجائے ایک حاکم کے عتاب سے ڈر کر عیینونیہ سے نکل کھڑا اور امیر درعیہ ابن سعود کے پاس جاکر پناہ لی۔

یہیں سے وہابیت کا وہ پہلا دور شروع ہوتا ہے، جب اس نئے مذہب نے پر پرزے نکالے اور ایک فیصلہ کن سیاسی قوت حاصل کرکے علاقے کے امن وامان میں آگ لگادی۔ اس دور میں نجدی نے کتنی قوت اور کامیابی حاصل کی اور عوام کے سامنے وہابیت کو کس روپ میں پیش کیا، اسکی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں



بصرہ کے جنوب مشرق میں ایک مقام ہے جسے "درعیہ" کہتے ہیں۔ یہ نجد کا حصہ شمار ہوتا ہے مسیلمہ کذاب اسی جگہ کا باشی تھا۔[15]

ابن سعود (۱۷۴۷، ۱۷۶۵) اسی درعیہ کا حاکم تھا، جب شیخ نجدی اس سردار کے پاس پہنچا، اس وقت حجاز مقدس پر مسعود بن سعید (۱۷۴۶ تا ۱۷۶۵) کی حکومت تھی، اور عالم اسلام کے خلیفہ سلطان روم، محمود خاں اول (۱۷۴۳ تا ۱۷۶۸) تھے، مصر وحجاز کے علاقے بھی ان ہی کے ماتحت اور زیر نگین تھے۔

شیخ نجدی کے سینے میں الحسا کے حاکم سلیمان کے خلاف انتقام اور غصے کی آگ بھڑک رہی تھی جس نے اسے علاقے سے خارج کردیا تھا۔ اس نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے نئے مذہب کی آڑ میں یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ مگر وہ اپنے میزبان ابن سعود کو اپنے مقاصد کے چوکھٹے میں فٹ کرنے اور شیشے کے اندر اتارنے میں ناکام رہا، تاہم اس نے ہمت نہ ہاری اور ابن سعود کی بیوی اور بھائی کو متاثر کرنے میں کامیاب

[15] خوارج قرن ۱۲، ۱۲۶

ہوگیا، ان دونوں کی مساعی نے اسے امیر ابن سعود کے قریب کردیا اور پھر رفتہ رفتہ ان دونوں میں پوری طرح گٹھ جوڑ ہوگیا۔

ابن سعود نے اندازہ لگالیا کہ اس نئے مذہب کو پھیلانے سے سلطنت کو وسعت دینے اور مخالفین کو کچلنے کے روشن امکانات ہیں، چنانچہ اس نے ان شرائط پر شیخ نجدی کا ساتھ دینے کی حامی بھرلی کہ مذہب نجدی شیخ کا ہوگا، اور تلوار ابن سعود کی۔ ابن سعود کا مستند سوانح نگار لکھتا ہے!

"امیر اور شیخ میں مودت اور موافقت کے اقرار ہوئے، چنانچہ تلوار ابن سعود کی تھی اور مذہب شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کا"[16]

توقع کے مطابق جب ابن سعود اور نجدی کو مفت میں جمعیت فراہم ہوگئی تو انہوں نے گردوپیش کے علاقوں کو تاخت وتاراج کرنے کا منصوبہ بنایا، اس سلسلے کا پہلا نشانہ ریاض کا امیر ابن دواس بنا۔ پہلے اسے پیغام بھیجا گیا کہ وہابی عقائد قبول کرے مگر جب اس نے بے سروپا اور خلاف کتاب وسنت عقائد قبول کرنے سے انکار کیا تو طاقت کے نشے میں چور شیخ نجدی اور امیر درعیہ نے ریاض پر حملہ کردیا، اور ۱۷۷۳ء میں اس پر قبضہ جمالیا۔

پھر الحسا کے حاکم کے ساتھ بھی معرکہ آرائی ہوئی مگر وہابی اتنی جمعیت فراہم کرچکے تھے کہ چھوٹے چھوٹے علاقوں کے لئے ان کا مقابلہ دشوار ہوگیا تھا، اس لئے وہ بھی شکست کھاگیا۔

مورخ حسنی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ

"شیخ نجدی اور اس کے وہابی علاقوں پر قبضہ حاصل کرنے وہاں کے باشندوں کو بزور شمشیر وہابی عقائد قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ کسی علاقہ کے ساتھ جنگ میں الجھنے سے جونہی وہابیوں کی گرفت کمزور ہوئی وہ لوگ وہابی عقائد کے خلاف بغاوت کر دیتے کے دشمن کا ساتھ دیتے جو مسلمان سنی عقیدے کا مالک ہوتا۔"

[16] سوانح ابن سعود، ۲۴

حسنی مورخ کا بیان ہے ۔

لیکن ابن سعود کو بھی ایک نقصان ان لڑائیوں سے یہ ہوتا رہا، کہ وہ قبائل جو بنوکِ شمشیر موحد کئے گئے تھے ۔ دشمن کی آمد آمد سن کر ابن سعود اور شیخ دونوں سے باغی ہو جاتے تھے، اور حملہ آوروں سے نپٹنے ہی باغیوں کی سرکوبی کے لئے حکومت کو مصروف ہونا پڑتا تھا ۔[16]

دماغ یہ معمہ حل کرنے سے قاصر ہے کہ

وہابی خود کو بڑا موحد اور قرآن کا پیروکار قرار دیتے ہیں، پھر نجانے وہ کس دلیل کی بنا پر عوام کو اپنا دین بدلنے پر مجبور کرتے تھے جبکہ قرآن پاک کا حکم ہے ۔

لا اکراہ فی الدین

دین میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں ۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ مقصود صرف سیاسی مفادات کا حصول تھا، چاہے وہ کسی طرح حاصل ہو، خواہ قرآنِ پاک ہی کے احکام کو پس پشت پھینکنا پڑے ۔ سچے دل اور خلوص کے ساتھ قرآن و سنت کی طرف دعوت دینے والے، رب تعالیٰ کے فرمان و ہدایت کی اس طرح خلاف ورزی نہیں کر سکتے ۔

ابنِ سعود کا جانشین

۱۷۶۵ء میں ابن سعود کا انتقال ہو گیا، اور زمام حکومت اس کے بیٹے عبد العزیز (۱۷۶۵ء ۱۸۰۲ء) نے سنبھال لی ۔

اس عرصہ میں حکومت اور شیخ نجدی کی پوزیشن کافی مستحکم ہو چکی تھی، جس مذہب نے انہیں ایک چھوٹے سے علاقے سے نکال کر بڑی سلطنت اور بھاری جمعیت بخش دی تھی وہ اس کی ترویج و اشاعت کے لئے شب و روز اور دل و جان سے کوشاں اور مصروف تھے ۔ جو ان عقائد کو قبول کرنے میں پہلو تہی کرتا اسے[17]

۱۷؎ شہابہ ابن سعود، ۳۰م

ورنہ موت کے گھاٹ اتار دیتے ۔ یا سخت سزائیں دیتے ۔ گنبدِ خضراء پاک کی زیارت کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تھی، کسی کو اجازت نہ تھی کہ مدینہ طیبہ کی طرف زیارت کی نیت سے سفر کرے، اگر پتہ چل جاتا تو زائرین کی سخت بے عزتی کرتے اور مذاق اڑاتے ۔

درعیہ سے قریب "احسا" ایک جگہ تھی، وہاں سے کچھ مسلمان دل کے جذبۂ بے قرار کے ہاتھوں مجبور ہو کر، ہر قسم کے خطرات اور ان کے خوفناک نتائج کے احساس کے باوجود عشق و محبت کے سدا بہار پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے، اور درود و نعت کے نغمے الاپتے، زیارت روضۂ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روانہ ہو گئے ۔

نبی کا کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کرنے والے ان موحدوں کو پتہ چل گیا، یہ ان کی تاک میں بیٹھ گئے، جب وہ زیارت روضہ انور سے قلب و روح کو تسکین دے کر واپس آئے اور درعیہ کے قریب سے گزرے تو وہابیوں نے پکڑ لیا، شیخ نجدی نے ان کی ڈاڑھیاں منڈوا دیں اور گدھوں پر الٹا سوار کر کے انہیں احسا کی طرف روانہ کر دیا ۔[18]

شیخ نجدی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی وہابیوں کو روکتا تھا، اور درود شریف کے مقدس و نورانی کلمات سے اسے بہت اذیت پہنچتی تھی، روضۂ اقدس کے سامنے بھی درود پڑھنا گوارا نہ کرتا تھا ۔

مولانا مدنی صاحب وہابیوں کے بارے میں لکھتے ہیں

" اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہیں پڑھتے ۔ اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا مانگتے ہیں "[19]

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نجدی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ۔

وکان ینھی عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویتاذی من سماعھا[20]

وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے سے منع کیا کرتا تھا اور درود کے کلمات سن کر اذیت محسوس کرتا تھا ۔

۱۸؎ درر سنیہ، ۵۰م ۔ ۱۹؎ شہاب ثاقب، ۴۷م، ۲۰؎ درر سنیہ، ۵۰م

ایک نابینا خوش الحان موذن کو اس نے مینار پر درود پڑھنے سے منع کیا مگر وہ عاشقِ صادق باز نہ آیا، اس نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اسے بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ ۲۱؎

علماء میدانِ عمل میں

جب نجدی کے مظالم، نئے مذہب کے بے سروپا عقائد و خرافات اور وہابیوں کی چیرہ دستیوں اور گستاخیوں کا شہرہ ہوا، تو سارے عالم اسلام میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ علماء سب سے پہلے اس طوفان بلاخیز کے خلاف میدانِ عمل میں آئے اور اس کا علمی و تحقیقی محاسبہ شروع کر دیا۔

اس سلسلہ میں جو مقدس و بارعب آواز سب سے پہلے بلند ہوئی، اور نجدی اور اس کی تعلیمات کے خرمن خاشاک پر برق تپاں بن کر گری وہ نجدی شیخ کے اپنے ہی بھائی حضرت سلیمان کی تھی، جنہیں خدا تعالیٰ نے اسی گھر میں موسیٰ اور خضر کا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرت سلیمان اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات کے حامل قابل و باصلاحیت بزرگ اور نہایت بلند پایہ محقق نکتہ رس عالم تھے، جب انہوں نے اپنے ہی گھر سے اوہام و اباطیل اور خلاف قرآن و سنت خیالات کا لاوا پھٹتے دیکھا تو متاعِ صبر و سکوں کھو کر بے قرار ہو گئے اول تو بھائی کو سمجھایا کہ "تم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ انتہائی خطرناک اور اہل ایمان کی صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔ جس کے متعلق قرآن کا فیصلہ ہے۔ یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم

"جو مومنین کی راہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے، جدھر وہ پھرا اور جہنم میں داخل کریں گے"۔

"تم اس صراطِ مستقیم اور جادہ حق کو نہ چھوڑو جو مومنین، اولیاء اللہ، اہل دین

۲۱؎ درر سنیہ، ۴۱

اور تمام مسلمانوں کا راستہ ہے۔"

مگر شیخ نجدی باز نہ آیا، اور اپنی ہی دنیا میں منہمک رہا، برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ چھ سو سال سے سب مشرک چلے آ رہے ہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا

جب بقول تمہارے، اتنے طویل عرصہ سے تمام مشرک چلے آ رہے ہیں تو دین صحیح حالت میں تمہیں کیسے حاصل ہو گیا۔ جس کی دعوت دے رہے ہو؟

اس نے جواب دیا! مجھے الہام کے ذریعے اپنے موقف کی صحت کا علم ہوا ہے

اس مضحکہ خیز جواب پر اعتراض کیا گیا کہ،

یہ تو کوئی سند نہیں، اس طرح تو ہر کوئی اپنی بیہودہ خرافات و مہملات کو الہام کا درجہ دے سکتا ہے۔

اپنے موقف کی تائید میں کوئی وزنی جواب پیش کرو، مگر نہ کر سکا پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آیا،

جب حضرت سلیمان نے دیکھا کہ یہ مذموم کوششوں اور مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے سے باز نہیں آتا، تو ایک روز اس سے پوچھا:

"ارکان اسلام کتنے ہیں؟"

نجدی نے جواب دیا: کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکات، کل پانچ ارکان ہیں۔

حضرت سلیمان نے فرمایا:

"مگر تمہارے نزدیک ارکان اسلام چھ ہیں، جو تمہارا مذہب قبول نہ کرے تمہارے نزدیک وہ بھی کافر ہے، خواہ اسلام کے پانچ ارکان کا قائل ہو۔"

گھر میں اسے راہ راست پر لانے کا سلسلہ جاری رہا، مگر جب اس میں ہدایت پذیری کے آثار نظر نہ آئے، اور معاملہ روز بروز بگڑنے اور بد سے بدتر ہونے لگا تو حضرت سلیمان نے نازک صورتِ حال پر سنجیدگی سے غور کیا، آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ اس خوفناک بدعت اور خطرناک وبا کا علاج یہی ہے کہ علمی سطح پر اس کا محاسبہ

کیا جائے، اور مسلمان عوام کو گھر سے نکلنے والی اس بدعت کی تباہ کاری سے بچایا جائے چنانچہ اللہ پر توکل کر کے، ایمان کا سہارا لئے میدان عمل میں آگئے اور اپنے بھائی اور اس کے پیروکار وہابیوں کے رد میں ایک معرکہ آرا مدلل کتاب لکھی

الصواعق الالٰھیہ فی الرد علی الوھابیہ ۲۲ ے

یعنی وہابیوں کے رد میں ربانی بجلیاں

ان بجلیوں نے وہابیوں کا واقعی خرمن اجاڑ دیا۔

اس علمی کوشش کے بعد مسلمان عوام کو وہابیوں کی حقیقت سے آگاہ کرنے کا سلسلہ چل نکلا، چنانچہ مذکورہ تصنیف کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں وہ یہ ہیں۔

حضرت علامہ سید علوی بن احمد نے

جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام

لکھی، یعنی "نجدی کی پھیلائی ہوئی ان تاریکیوں کے خلاف اعلان جہاد، جس نجدی نے عوام کو گمراہ کیا۔"

شیخ طاہر سنبل حنفی نے الانتصار لاولیاء الابرار لکھ کر وہابیوں کی دھجیاں اڑائیں اور شیخ محمد بن عبد الرحمان نے تھکما المقلدین بمن ادعی تجدید الدین لکھی اور ان کے تمام اعتراضات کا محققانہ اور علمی جائزہ لیا۔

ان علمی اور جوابی کوششوں کے مختصر خاکے سے اس جدوجہد کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو شیخ نجدی کی گمراہ کن، غیر اسلامی تعلیمات کے نتیجے اور ردعمل کے طور پر ظاہر ہوئی، ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بیداری و اضطراب کی لہر دوڑ گئی، اور اہل نظر علماء اس کے تعاقب میں چل نکلے، ایسے گہرے اور دقیق سوالات مرتب کئے جنہیں شیخ نجدی، سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا تھا، علامہ عفالق نے اس سے پوچھا:

ے ۲۲ کچھ عرصہ قبل علامہ حکیم غلام معین الدین نے اسے شائع کیا تھا، اب حال ہی میں ٹرکی سے کافی نسخے پاکستان پہنچے ہیں جو مفت تقسیم کئے گئے۔

سورہ العادیات میں موجود قوانین بلاغت کی اس طرح نشاندہی کرو کہ پتہ چل جائے، مجاز مرسل، استعارہ حقیقیہ، تبعیہ، مرشحہ، اسناد حقیقی اور مجاز عقلی کہاں ہے؟ کن جگہوں پر ایجاز، اطناب اور مساوات ہے؟ کس جگہ اسم ظاہر کی جگہ ضمیر اور کس جگہ اس کا الٹ ہے؟ ضمیر شان، التفات، اور مقام فصل و وصل کی نشاندہی کرو اور بتاؤ کمال اتصال اور کمال انقطاع کہاں ہے؟

مگر ان کا جواب دینا نجدی کے بس کا روگ نہ تھا،

ایک صاحب علم نے گرفت کی: بتاؤ! رمضان کے مقدس مہینے میں اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کو بخشتا ہے؟

نجدی نے جواب دیا، ہر رات ایک لاکھ گنہگاروں کی بخشش ہوتی ہے، اور آخری رات اتنے لوگ بخشے جاتے ہیں جتنے سارے مہینے میں بخشے گئے ہوں۔"

سائل نے اپنی گرفت مکمل کر لی: بتاؤ! اتنے ڈھیر سارے لوگ کون ہیں، اور کہاں ہیں جن کی ان راتوں میں بخشش ہوتی ہے؟ تمہارے پیروکار تو ہو نہیں سکتے، کیونکہ ان کی تعداد نہایت حقیر ہے، اور دوسرے مسلمانوں کو تم بخشش و مغفرت کے قابل نہیں سمجھتے، آخر وہ لوگ کہاں ہیں، جو رمضان کی راتوں میں اس کثرت کے ساتھ بخشے جاتے ہیں؟ نجدی اس معقول سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا اور ہکا بکا رہ گیا۔

اسی طرح کسی نے پوچھا:

اگر تمہیں ایک شخص آکر بتائے کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر جرار موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، اس کے مقابلہ کے لئے ایک ہزار سپاہی بھیجو۔ ایک ہزار سپاہی دوسری طرف جا کر واپس آجائیں اور بتائیں، ادھر کوئی لشکر نہیں ہے۔ تم اس پہلے جھوٹے آدمی کی بات مانو گے، یا ہزار سپاہیوں کی؟

شیخ نجدی نے بلا تامل جواب دیا: ہزار سپاہیوں کی بات مانوں گا۔

اس زیرک عالم نے کہا: مسئلہ حل ہو گیا: تمام مسلمان اپنے اعتقادات کو صحیح بتاتے

ہیں، تم انہیں مشرک قرار دیتے ہو، ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، بلکہ ان ہزاروں لاکھوں کی بات تسلیم کریں گے، جو تمہاری اس لائی ہوئی بدعت کے مخالف ہیں۔

پھر اس نے دوسرا سوال کیا "

تم حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کو کفر قرار دیتے ہو، حالانکہ تمام مسلمان ابتدا سے اس نظریہ کے قائل چلے آرہے ہیں؟

نجدی نے جواب دیا: ایک دفعہ حضرت عمر نے بارش کے لئے حضور کے چچا حضرت عباس کو وسیلہ بنایا، اگر نبی کے ساتھ توسل جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس کو وسیلہ نہ بناتے۔

مسلمان نے کہا: اس سے تو میرے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مقدس اکابرین کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔

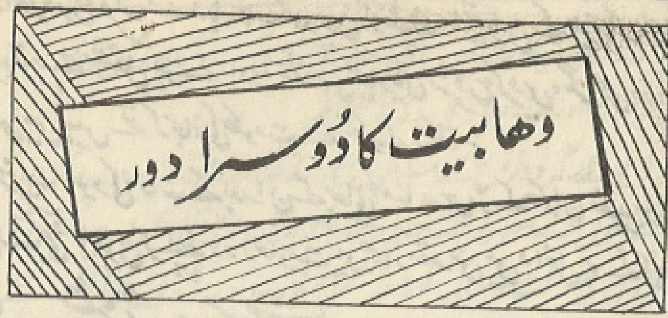
نجدی بولا: یہ بات نہیں، چونکہ حضور فوت ہو چکے تھے، اس لئے حضرت عمر نے آپ کو وسیلہ بنانا جائز نہ سمجھا، اور عباس زندہ تھے ان کو وسیلہ بنایا۔

اس عالم مسلمان نے فوراً گرفت کی: ۲۳ے

تم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ افترا پردازی کس طرح کر سکتے ہو، کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد توسل کو جائز نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ اس مشہور حدیث کے آپ ہی راوی ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں محبوب اکرم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا تو ان کی توبہ منظور ہوئی۔

اس معقول اور مستند جواب پر نجدی حیران رہ گیا اور کچھ نہ بول سکا

علمائے کرام نے میدانِ عمل میں آکر تحریر، تقریر، سوال، جواب اور ہر طرح سے اس کا مقابلہ کیا اور وہ فرض بحسن و خوبی انجام دیا جو اس بدعت و ضلالت کے ظہور کے بعد ان پر عائد ہوتا تھا



جب وہابیوں نے نجد اور قرب و جوار کے علاقوں میں فتنہ و فساد اور ضلالت و بدعقیدگی کی یہ متعفن مہم زور شور کے ساتھ چلائی ہوئی تھی اس وقت ترکی فرمانروا غازی سلطان عبد الحمید خان (۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳) کی حکومت تھی، ان کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے ہی یہ مہم شروع ہو چکی تھی مگر نا ہنوز ترکی تک اس نئے مذہب اور اس کے عجیب و غریب غیر اسلامی خیالات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ بلکہ ابھی تک حجاز کی حکومت اور عوام بھی اس کی حقیقت، مقصد و مدعا اور اس کے خد و خال اور حدود اربعہ سے نابلد تھے، شریف مسعود (۱۱۴۶ھ ۱۱۶۵) کے کانوں تک جب اس سلسلے کی حیرت انگیز خبریں پہنچیں تو وہ بہت حیران ہوئے، کیونکہ ایک کلمہ پڑھنے والے شخص کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ وہ زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت و حرام کہتا ہے، یا درود پاک سے اذیت و کرب محسوس کرتا ہے۔ یقیناً تعجب انگیز بات تھی۔

انکے عہد میں نجد کے وہابیوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنے نئے مذہب کی تبلیغ کا پروگرام بنایا چنانچہ ان کے تیس عالم اس کام کے لئے منتخب کئے گئے، جب وہ حرمین میں پہنچے تو انہیں بلا کر علماء کے ایک بورڈ کے سامنے پیش کیا گیا، اور ان سے عقائد و مقاصد پوچھے، گفتگو کے بعد پتہ چلا یہ لوگ سرے سے بد عقیدہ، علم سے بے بہرہ اور بالکل مسخرے ہیں جنہیں جواب دینا تو کجا رہا، بات سمجھنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ ۱۹ے شریف مسعود نے انہیں گرفتار کر لیا اور عبرتناک سزائیں دیں۔ اور حرم شریف میں

ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ جب نجدیوں کو اپنے ساتھیوں کے عبرتناک انجام کا علم ہوا تو بہت مشتعل ہوئے، اور انتقام کی تیاریاں شروع کردیں، مگر ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ حجاز کی حکومت سے ٹکر لے سکتے۔

شریف مسعود کی وفات کے بعد ان کے بھائی مساعد حجاز کے حکمران مقرر ہوئے۔ انہوں نے بھی وہابیوں کو اپنے دورِ حکومت میں حجاز مقدس میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی

شیخ نجدی کی وفات

عبدالعزیز نجد کے حکمران کے عہد میں تاخت و تاراج اور وہابیت کی اشاعت کا سلسلہ جاری تھا، عبدالعزیز کو شیخ نجدی کی شہ اور پوری حمایت و سرپرستی حاصل تھی، شیخ نجدی بدوی لوگوں کو اپنے خیالات سے متاثر کرکے وہابیت کے جال میں پھنساتا، اور عبدالعزیز کی فوج میں اضافہ کرتا رہتا، تاآنکہ اجڈ، گنوار اور جفاکش بدویوں کی کثیر جمعیت اسکے جھنڈے تلے جمع ہوگئی۔

عبدالعزیز کو مفت میں اتنے ڈھیر سارے رضا کار، دین اسلام کے مخالف خیالات اور فسادات کی تخم ریزی کے تحفے دے کر شیخ نجدی صاحب ۱۲۰۶ھ میں اس کارگاہ شر و فساد میں اپنے پیروکار چھوڑ کر عالم عدم (برزخ) کی طرف سدھار گئے، اور اپنے پیچھے ایک ایسا مذہب چھوڑ گئے، جو انہیں قبر میں بھی بدعت، بدعت سیئہ کی عملی یادداشت کا مفہوم سمجھاتا رہے گا۔

وہابیت کے کارنامے

(الف)

شیخ نجدی کی تعلیمات اور پچاس سالہ رفاقت نے عبدالعزیز کو بڑا پرجوش، فعال اور کٹر وہابی بنا دیا تھا، شیخ کی موت کے بعد اس کی سرگرمیوں اور تبلیغی کاموں میں کوئی فرق نہ آیا، اس کا بیٹا سعود جو اس کے بعد اقتدار کا وارث ہوا

وہ وہابی خیالات میں باپ سے بھی بازی لے گیا اور کسی توقف کے بغیر ہر طرف مار دھاڑ، اور گھیراؤ جلاؤ کا پروگرام بنا لیا۔

یہ حملے گرد و نواح کے مسلمانوں ہی کے خلاف اتنے شدید، اچانک اور سفاکانہ تھے جنھوں نے سعود کو ایک ظالم و جفا پیشہ جنگ باز کی حیثیت سے مشہور کر دیا۔ اور وہابیوں کی وحشت، سفاکی، لوٹ مار، قتل و غارت اور سنگدلی دیکھ کر لوگ انکے نام ہی سے متنفر ہوگئے، اور انہیں خونخوار درندہ سمجھنے لگے۔

ان کی چیرہ دستیوں اور شر انگیزیوں سے کربلا معلی شریف، طائف اور مکہ مکرمہ جیسے مسلّمہ پاکیزہ مقامات بھی محفوظ نہ رہے، اور انہوں نے وہاں بھی وہ اودھم مچایا جسکی کسی غیر مسلم، بے دین سے بھی توقع نہیں ہو سکتی، اور کوئی ایمان کا دعویدار ایسی حرکات کا مرتکب ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ان زیادتیوں اور ستم رانیوں کا اعتراف خود ابن سعود کے سوانح نگار نے بھی کیا ہے، اس نے ان مقامات پر وہابیوں کے مظالم و سفاکی کی پوری تفصیلات بیان نہیں کیں کیونکہ اس نے اپنی کتاب کے دیباچے ہی میں لکھ دیا ہے کہ

انہدام مقابر اور ملوکیت حجاز وغیرہ پر نہایت حزم و احتیاط سے عرض مطلب کیا گیا ہے، اور ان سے جلد از جلد گزرنے کی کوشش کی گئی ہے صرف نفس واقعہ کو ملائم سے ملائم الفاظ میں بیان کیا ہے [۲۵]

اس احتیاط اور ملائم الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود اس نے جو کچھ چند الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ ان مقامات پر ظلم و ستم کے ٹوٹنے والے پہاڑ کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ یہ مظالم عمان، بحرین، احسا، طائف، کربلا معلی اور مکہ مکرمہ کے باشندوں پر یکساں طور پر توڑے گئے۔ جو وہابی تعلیمات اور انکے "خوبصورت" کارناموں کا جلی عنوان ہیں۔

۲۵ حسنی، سوانح ابن سعود، مقدمہ کتاب



سعود، وہابیت کو عملی شکل میں متشکل دیکھنے اور اپنے اقتدار کی سرحدیں دور دور تک پھیلانے کے لئے فوج کشی و تبلیغ میں جنون کی حد تک مصروف ہو گیا، اس معاملہ میں عبدالعزیز بھی کچھ کم نہیں تھا۔

لیکن اس کا بیٹا سعود، باپ سے بھی زیادہ گرم جوش ثابت ہوا، اس نے اپنے والد کی اجازت کے بغیر نجف اشرف اور کربلا معلی پر حملے کئے اور وہاں کے مزارات مقدس کو تہہ و بالا کر دیا۔ لوٹ اور غارت کا تو کچھ حساب ہی نہیں، ان مقامات پر اہل نجد کی طرف سے بے حد بد اعتقادیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئیں۔ [۲۶]

"وہابیوں نے ۱۸۰۱ء میں سعود بن عبدالعزیز کی قیادت میں، کربلا معلی پر حملہ کیا، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقدس مزار کو منہدم کر دیا۔

کربلا معلی کی نہتہ اور امن پسند آبادی کا بیشتر حصہ بلا فصل تہہ تیغ کر دیا۔ کربلا معلی سے بصرہ تک کا تمام علاقہ خاک سیاہ کر دیا۔ کروڑوں روپیہ کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

فتنہ تاتار کے بعد عراق میں ایسا ظلم و فساد کبھی نہ ہوا تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں، لیکن درعیہ نجد کے دار السلطنت میں فتح و نصرت کے شادیانے بج رہے تھے۔ [۲۷]

---

[۲۶] حسنی، سوانح ابن سعود ص ۴۴ ؛ [۲۷] حسنی، سوانح ابن سعود

فتنہ تاتار اور ہلاکو خاں کے ظلم و تشدد اور وحشت و بربریت کی یاد تازہ کرنے والے اس واقعہ کے متعلق، علامہ السید شریف نے اپنی تاریخ وہابیہ "صدق الخبر" میں یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

ان سعود الوهابي الخارج في ارض نجد، اخترع ما اخترع في الدين واباح دماء المسلمين وتخريب قبور الائمة المعصومين فاغار سنة ۱۲۱۶ على مشهد الحسين عليه السلام وقتل الرجال والاطفال ونهب الاموال وعاث في الحضرة المقدسة، فاهدم بينانها وهدم اركانها [۲۸]

نجد سے خروج و بغاوت کرنے والے، سعود وہابی نے نیا دین گھڑا اور مسلمانوں کا خون مباح کیا، معصوم اماموں کی قبریں خراب کیں ۱۲۱۶ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مشہد مبارک پر حملہ کیا مردوں اور بچوں کو بلا دریغ قتل کیا، بے اندازہ دولت لوٹی اور روضہ مقدس کی عمارت کو خراب و منہدم کیا۔

عبدالعزیز کا قتل

کربلا شریف کی بے حرمتی اور امام پاک رضی اللہ عنہ کے روضہ اقدس کی تخریب کے باعث تمام مسلمانوں میں ہیجان بپا ہو گیا، صدمہ سے کلیجے چھلنی ہو گئے، اور وہابیوں کے خلاف عوام کے دلوں میں جو دبی ہوئی نفرت تھی، وہ کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑی، جس کا پہلا شکار عبدالعزیز کو ہونا پڑا۔

۴ نومبر ۱۸۰۳ء کا واقعہ ہے کہ

عبدالعزیز ظہر کی نماز میں امامت کر رہا تھا، کہ مقتدیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا، اور عبدالعزیز کے سینے میں خنجر گھونپ دیا، یہ شخص شیعہ تھا، دو برس پیشتر

---

[۲۸] صدق الخبر خوارج قرن الثانی عشر ص ۴۶

اس کے اہل و عیال، کربلا معلی میں تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے، یہ شخص انتقام کی غرض سے "درعیہ" آیا، اور دو برس تک وہابی بنا، مناسب موقعہ کی تاک میں لگا رہا موقعہ غنیمت جان کر وار کر دیا۔

وہابیوں نے قاتل کو زندہ جلا دیا، لیکن وہ انتقام لے چکا تھا، اور ظلم و فساد کے بانی کو گہری نیند سلا چکا تھا،

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانانِ عالم وہابیوں کی حرکات کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے [29]

طائف کی بربادی

غازی سلطان عبدالحمید خاں (۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳) ترکی خلافت کی شاندار روایات کے امین مدبر جانشین اور ہونہار وارث تھے مگر آپ کا جانشین سلیم خان ثالث، (۱۲۰۳ھ ۱۲۲۲) اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت نہ دے سکا، ایک عظیم سلطنت کے نظم و نسق کے لئے بالکل نا اہل ثابت ہوا نتیجہ یہ نکلا کہ طاقتور صوبوں نے آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے، جس کے باعث ملک میں افراتفری مچ گئی، اور ہر حکمران اپنے ہی حالات میں مگن ہو گیا۔

ان کمزور سیاسی حالات سے سعود نے مکمل فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا، حجاز کی کمزور فوجی قوت اس کے علم میں تھی، شریف غالب (۱۲۰۲ھ ۱۲۲۰) کو اپنے جرار لشکر ہی سے خوفزدہ کر دینا اس کے لئے مشکل نہ تھا، اس لئے اس نے حملہ کی تیاریاں تیز تر کر دیں۔

سب سے پہلے طائف کو زیر نگیں لانا ضروری تھا، چنانچہ ۱۲۱۷ھ میں سعود کی وہابی فوج نے طائف کی طرف پیش قدمی کر دی۔

[29] سوانح ابن سعود، ۸۴

شریف غالب کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ فوراً مرکز خلافت کو سنگین حالات اور ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ مگر مرکزی حکومت خود ایسے مسائل میں گھری ہوئی تھی کہ اس کے لئے کسی طرف توجہ دینا ممکن نہ تھا، سلیم خان اپنی نااہلی کی وجہ سے مضبوط ترین سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کرتا جا رہا تھا۔ سعود ہوا کے دوش پر منزلیں طے کرتا ہوا۔ طائف کے سامنے جا دھمکا۔ ایک لاکھ سے متجاوز جرار لشکر کے ساتھ طائف کے دروازوں پر دستک دی، اہل شہر کے اتنی فوج دیکھ کر ہی اوسان خطا ہو گئے، چنانچہ ان کے لئے دروازے کھول دیئے گئے، اس کے بعد بے گناہ نہتے شہریوں، معابد و مقابر اور مقدس مقامات کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی محزنی تفصیلات لکھنے سے قلم عاجز اور سننے سے کان قاصر ہیں، سعود جو اس وقت رسوائے عالم ہو چکا تھا حجاز کی طرف بڑھا اور طائف پر قابض ہو گیا [30]

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس واقعہ کی مختصر روئداد یوں ہے

لما ملکوا الطائف، فی القعدة سنة ۱۲۱۷ قتلوا الکبیر والصغیر والمامور والآمر ولم ینج الامن طال عمره وکانوا یذبحون الصغیر علی صدر امه ونهبوا الاموال وسبوا النساء وفعلوا اشیاء یطول الکلام بذکره [31]

جب ذی قعدہ ۱۲۱۷ھ میں وہابیوں نے طائف فتح کیا، تو چھوٹے بڑے، رعایا اور عوام سب کو بے دریغ قتل کیا، وہی نجات پا سکا جس کی عمر لمبی تھی، (وہ اتنے بے رحم تھے کہ) ماں کے سینے پر اس کے بچے کو ذبح کر ڈالتے تھے، انہوں نے مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں کو قیدی بنا لیا، اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کیا، جس کا ذکر طوالتِ کلام کا باعث ہے۔

سید شریف لکھتے ہیں۔

[30] حنی بی اے، سوانح ابن سعود، ۸۴ [31] دحلان، درر سنیہ، ۲۶

وھدم المضائفی بالطائف قبۃ ابن عباس الغریبۃ الشکل والوصف ۳۲ے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کا نہایت دلآویز اور خوبصورت گنبد بھی گرا دیا۔

مکہ مکرمہ کی بے حرمتی

طائف کے مظلوم عوام کو تہہ تیغ کرنے کے بعد، وہابیوں کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی وہابیوں کا تیسرا عظیم کارنامہ اور ان کی خدا پرستی کا زندہ ثبوت ہے۔

سعود کو شریف مکہ غالب کی فوجی طاقت کا مکمل اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے کسی تاخیر کے بغیر اگلے سال ۱۲۱۸ھ میں مکہ مکرمہ پر بھی چڑھائی کر دی۔

حجاج بن یوسف اور یزید کے درجے کے لوگوں کے سوا یہ سعادت کسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ شریف غالب نے مرکزی حکومت سے مدد مانگی، مصری حکومت سے بھی رجوعات کی ان کے ماتحت ہونے کی وجہ سے ان کا فرض تھا کہ وہابیوں کی یلغار سے حجاز مقدس کی زمین کو بچانے کے لئے شریف غالب کی امداد کرتے، مگر تمام اپنے اپنے معاملات میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ اس طرف توجہ دینے کی کسی کو فرصت ہی نہ ملی

ہر طرف سے مایوس ہو کر مقابلے کی سکت نہ پاتے ہوئے شریف غالب مکہ مکرمہ کے باشندوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ کے جدہ چلا گیا، اس خیال سے کہ آنے والے کلمہ گو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہو سکتا ہے شہریوں کو بے یار و مددگار اور مسلمان دیکھ کر صرف مکہ پر قابض ہونے ہی پر اکتفا کریں اور طائف کی تاریخ یہاں نہ دہرائیں سعود نے شہر سے باہر خیمے لگا دیئے، مکہ مکرمہ کے معززین امان طلب کرنے کے لئے اس کے پاس گئے، ان میں شیخ محمد طاہر سنبل، سید محمد مرغنی، شیخ عبدالحفیظ عجمی

۳۲ے خوارج قرن الثانی عشر۔ ۱۳۰

اور سید محمد بن حسن عطاس جیسے افاضل و اکابر بھی تھے۔

فاجابھم انما جئتکم لتعبدوا اللہ وحدہ وتھدموا الاصنام والطواغیت، ولا تشرکوا باللہ الذی یحیی و یمیت۔

سعود نے جواب دیا:

میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، بت گرا دو اور جو خدا زندگی بخشتا اور مارتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

شیخ طاہر نے جواب دیا:

واللہ ما عبدنا ولا نعبد الا اللہ ۳۳ے

خدا کی قسم! ہم تو اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے،

سعود نے ان کو یہ امان نامہ لکھ کر دیا۔

من سعود بن عبدالعزیز الی کافۃ اھل مکۃ والعلماء السلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد فانتم جیران اللہ وسکان حرمہ، آمنون بامنہ، انما ندعوکم لدین اللہ ورسولہ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیاء ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ، فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے اہل مکہ اور علماء کے نام

سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اس کے بعد،

تم اللہ کے ہمسائے اور حرم کے باشندے ہو، مامون اور محفوظ ہو،

ہم تمہیں پکارتے ہیں اللہ اور رسول کے دین کی طرف۔

اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور نہ شرک کریں۔ اور ہم میں سے بعض لوگ بعض کو ارباب من دون اللہ نہ بنالیں، اگر وہ پھریں تو کہو

۳۳ے خوارج قرن ۱۲/ ۱۳۸

گواہ ہو جاؤ، ہم مسلمان ہیں، [۳۴]

پھر سعود نے بتایا:

میں آٹھ محرم ۱۲۱۸ھ میں مکہ میں داخل ہوں گا، اور عبدالمعین کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں۔

سعود حرم شریف میں داخل ہوا تو لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا پھر جن الفاظ میں خطبہ دیا، وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، مکہ کے کفار و مشرکین پر فتح یاب ہو کر آپ نے وہ کلمات کہے تھے، مگر سعود نے وہی کلمات مسلمانوں پر چسپاں کئے۔

---

[۳۴] اہل نظر جانتے ہیں اس امان نامہ کے تیور کس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں۔ سعود نے اس میں اہل مکہ کو کافروں اور مشرکوں کی طرح خطاب کیا ہے، یہ بعینہٖ ان خطوط کی نقل ہے، جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب اور کافروں کو لکھے تھے۔ وہی مضمون یہاں اختیار کرنا، اہل مکہ کے بارے میں سعود کی ذہنیت اور اس کے جذبات کو واضح کر دیتا ہے۔

ایک پہلو اور بھی ہے، جو سنگین بھی ہے اور ہوشربا بھی:

اور کوئی انتہائی بے باک اور سنگدل ہی اسے اپنانے کی جرأت کر سکتا ہے۔

وہ یہ کہ اماں نامہ میں خود کو نبی کے مشابہ قرار دینے کی شعوری کوشش شامل ہے، جو اس حقیقت کی عکاس ہے کہ ایسا خطبہ دینے والے کا دل منصبِ رسالت کی نزاکتوں سے یکسر ناآشنا ہے۔ اور احترامِ رسالت کے اس تصور سے بالکل خالی اور محروم ہے، جو ایک سچے امتی اور باکمال مومن کو بارگاہِ نبوی میں محتاط رویہ اختیار کرنے کا نورانی شعور بخشتا ہے، یہ بے احتیاطی اور ریا کی وہ ہے جس کے ڈانڈے گستاخی و بے ادبی سے جا ملتے ہیں، اور بے ادبی اس بارگاہ میں ازلی محرومیت کی علامت ہے، جس کے ساتھ کوئی خوشگوار تصور وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۳۴] بارھویں صدی کے خوارج، ۱۳۹

الله اکبر، لا اله الا الله وحده، صدق وعده، ونصر عبده، واعز جنده، لا اله الا الله ولا نعبد الا ایاه مخلصین له الدین، ولو کره الکافرون، اعلموا ان مکة حرام ما فیها، لا یختلی خلاها ولا ینفر صیدها ولا یعضد شجرها وانما احلت ساعة من نهار [۳۵]

اللہ اکبر، اللہ ایک ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو غلبہ دیا، ہم خلوص کے ساتھ اسکی عبادت کرتے ہیں، اگرچہ کافر ناپسند کریں جان لو! مکہ کی ہر چیز حرمت والی ہے یہاں کی گھاس کاٹنا، درخت توڑنا، اور یہاں کے شکار کو برانگیختہ کرنا جائز نہیں، یہ مکہ صرف دن کی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا۔

فاحمدوا الله الذی هداکم للاسلام، وانقذکم من الشرک وانا ادعوکم ان تعبدوا الله وحده وان تقلعوا عن الشرک الذی کنتم علیه

(پس اللہ کی تعریف کرو جس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی، اور شرک سے بچایا اور میں تمہیں ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ شرک سے رک جاؤ جس پر تم کاربند تھے۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خدا تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ پاک نے مکہ مکرمہ پر حملہ کی اجازت صرف آپ کو عطا فرمائی تھی، اب قیامت تک یہ رعائت کسی کو نہیں مل سکتی، ان الفاظ کو استعمال کر کے اپنے لئے یہ رعائت و اجازت ثابت کرنا رعونت کے ساتھ شانِ رسالت میں گستاخی و بے ادبی بھی ہے۔

اسی طرح اہل مکہ سے یہ کہنا کہ تم شرک سے باز آجاؤ، یہ انہیں خواہ مخواہ مشرک قرار دینا ہے، وہ حرم کے باشندے شرک کی لعنت سے پاک اور اس گندگی سے کوسوں دور تھے۔ سعود کے نزدیک مقدس مزارات کی زیارت، فاتحہ خوانی، دعائے مغفرت گنبد ہی چیزیں شرک تھیں، جس کا اس نے دوسرے روز اظہار کیا۔ لوگوں کو حکم دیا کہ نز لے کر ایسے کرو پہنچ جائیں۔

---

[۳۵] ایضاً

دوسرے روز سب سے پہلے وہ گنبد گرایا، جو اہل دل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کی جگہ پر بنایا ہوا تھا، تاکہ ظہور قدسی کی یاد تازہ ہوتی رہے، اور آنے والی امت کو پتہ چلتا رہے، کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جہاں دعائے خلیل، اور نوید مسیحا، پہلے آمنہ سے ہویدا ہوئی تھی۔

پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا قبہ منہدم کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جائے پیدائش پر جو یادگار گنبد بنے ہوئے تھے، انہیں توڑا۔ مقدس و متبرک آثار مٹائے، اور قبریں مسمار کیں۔ اس دوران یہ لوگ قبوں کو گالیاں بھی دیتے رہے، اور ایسے رجزیہ اشعار پڑھنے میں مصروف رہے، جن سے فاتحانہ غرور ٹپکتا تھا تین دن تک یہی کچھ ہوتا رہا، اپنے باطل مزعومات کی رو میں وہابیوں نے چن چن کر اسلامی شعائر کا خاتمہ کیا، اور ان نشانات کو ملیامیٹ کر دیا، جو تاریخی و مذہبی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بلند آواز سے درود پڑھنے سے بھی روک دیا، اور کہا یہ شرک اکبر ہے۔ (معاذ اللہ)

سید شریف نے ان تمام حالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فهدموا جميع ما فى المعلى من آثار الصالحين وكانت كثيرة ثم هدموا قبة مولد النبى صلى الله عليه وسلم، ثم قبة مولد ابى بكر الصديق رضى الله عنه، والمشهور لمولد سيدنا على رضى الله عنه وقبة السيدة خديجة ام المومنين رضى الله عنها، هم فى اثناء هدمهم يضربون الطبول ويرتجزون مبالغين فى شتم القبور التى هدموها ...... منعهم ايضا من اعلان الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ..... وقال ان هذا شرك اكبر [36]

وہابیوں نے مکہ مکرمہ میں تمام آداب بالائے طاق رکھ کر، جو بے باک اور قابل اعتراض

---

[36] ایضاً، ١٤١

طرز عمل اختیار کیا اور توہین و بے حرمتی کو شعار بنایا اور گستاخی و بے ادبی کے ایمان سوز مظاہرے کئے ان تمام "توحیدی کارناموں" کا اندازہ مورخ حسنی کے ان مختصر الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی کوشش اور احتیاط کے مطابق بڑے ملائم استعمال کئے ہیں، تاکہ اصلیت واضح نہ ہو، مگر چند الفاظ میں مکہ مکرمہ پر ڈھائے گئے مظالم کی ساری داستان آگئی ہے۔

" وہابی مدت سے ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکہ سے کی جائے گی، اور ہر وہ چیز جس میں کفر و شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو، فنا کر دی جائے گی، چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے، زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی، حرم کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے وہابی معتقدات کے مطابق" جس قدر شعائر یا رسومات قرآن و سنت کے خلاف تھیں یک لخت ممنوع قرار دی گئیں " [37]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ، وہابیوں کے شرک کا دائرہ اتنا وسیع تھا، کہ حرم کعبہ کا غلاف بھی اس سے خارج نہ تھا، جسے پھاڑنا انہوں نے ضروری سمجھا، اس سے اہل نظر اس تحریک کی ذہنیت اور شدت اور اسکے اصلی خدوخال کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

(٢) مدینہ منورہ

وہابیوں کے حوصلے بہت ہی بلند ہو چکے تھے، حالات نے انہیں دل کی حسرتیں نکالنے کا موقعہ فراہم کر دیا تھا، اس لئے ان کی ہوس ملک گیری بہت ہی ترقی کر گئی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف بھی متوجہ ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ نے مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا ہے، اور اسکی عزت و حرمت ملحوظ رکھنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اور اسکی خلاف ورزی کرنے

---

[37] سوانح ابن سعود، ٤٨

والے پر لعنت فرمائی ہے۔

ان ابراھیم حرم مکۃ وانی احرم مابین لابتیھا

حضرت خلیل نے مکہ کو حرم بنایا تھا، میں مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان والی زمین کو حرم قرار دیتا ہوں۔

لایختلی خلاھا، ولا یعضد شجرھا ولا ینفر صیدھا

نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی نہ درخت توڑے جائیں، اور نہ شکار بھگایا جائے گا۔

من احدث فیھا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین [38]

جس نے اس میں خلاف دین حرکت کا مظاہرہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت

مگر وہابی ان امتناعی احکام سے بے نیاز، مدینہ طیبہ کی حرمتیں پامال کرنے کیلئے اس طرف بھی روانہ ہوگئے، چونکہ راہ روکنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے منزلیں طے کرتے اور راستے میں آنے والے تمام مقدس آثار مٹاتے آگے بڑھتے رہے۔ جہاں اہل عشق کے مذہب میں سر کے بل جانا بھی بے ادبی شمار ہوتا ہے، جس راہ پہ آنکھیں بچھانا اور پلکوں سے جھاڑو دینا ایمان و سعادت کی علامت اور قرب و محبت کی عطا سمجھا جاتا ہے، جہاں کے خار مغیلاں نگاہ کو چبھتے نہیں، بلکہ گل تر دکھائی دیتے ہیں، جہاں کے سنگریزے حریر و پرنیاں بن کر آتے ہیں، اور دامن دل میں جگہ پاتے ہیں، جہاں کا شفا بخش غبار اہل نظر کی آنکھوں کے لئے سرمہ بصیرت ہے، اور ذرہ ذرہ قابل احترام ہے۔

دل والوں کی اس گلبدن سرزمین میں وہابی دندناتے ہوئے گھس گئے اور وہی تاریخ دہرائی جو طائف و مکہ میں دہرا چکے تھے، جنت البقیع کی قبور کو مسمار کردیا۔ گنبد گرائے، مزارات کی بے حرمتی کی اور دستور کے مطابق آثار و تبرکات مٹائے

38 بخاری، 251

حجرہ شریف سے تمام زر و جواہر لوٹ لئے، قالین اٹھا کر اپنے شہر درعیہ میں لے گئے

وفی سنۃ احدی وعشرین ایضا اخذ الوھابی کل ما کان فی الحجرۃ النبویۃ من الاموال والجواھر [39]

"۱۲۱۲ھ میں وہابی نے حجرہ مطہرہ کے اموال و جواہر لوٹے"

حضرت فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، سیف الجبار میں لکھتے ہیں۔

ان وہابیوں نے گنبد خضرا شریف کو بھی گرانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر قدرت نے اس کی حفاظت فرمائی اور ان کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔



وہابیہ کا استیصال

سلیم خان ثالث کی کوتاہ اندیشی اور نااہلی نے وہابیوں کو نجد و حجاز میں اپنی سلطنت کی حدود وسیع کرنے کا اچھا موقعہ فراہم کر دیا۔ وہ اپنی کمزوری کے باعث اپنے طویل دور اقتدار کے باوجود ان کا زور نہ توڑ سکا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرکزی حکومت کے کار پرداز حال مست رہے اور وہابیوں کا داؤ چل گیا۔

مگر قدرت کا قانون ہے، ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ مقدر ہوتا ہے۔

سلیم کے بعد مصطفیٰ خان رابع نے اقتدار پر قبضہ جمالیا مگر ۱۲۲۳ھ ہی میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔

اس کے بعد محمود خان ثانی (۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵) ترکی سلطنت کے وارث قرار پائے۔ یہ بالغ نظر، معاملہ فہم اور نکتہ رس حکمران تھے، گذشتہ حکومتوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا عرصہ سے بنظر غائر مطالعہ کر رہے تھے، حجاز میں وہابیوں کی بغاوت

39 الدرر السنیۃ، ۱۴۱، والبلد الحرام ۲۹۴

اپنے تمام لوازمات اور شر و فساد سمیت ان کی نگاہ میں تھی، وہ اس اٹھنے والی تحریک اور مذہب کے زرتار لبادہ میں لپٹی ہوئی شورش کی خرمستیوں سے آگاہ تھے۔

ایک مومن اور بصیر دماغ کے مالک ہونے کی حیثیت سے وہ توحید و شرک میں فرق کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے، وہابیوں نے شرک کے نام پر حرمین شریفین میں بے حرمتی کا جو بازار گرم کر رکھا تھا، وہ اسے ناپسندیدہ اور غضبناک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلا کرنے کا کام یہ تھا کہ پہلے ان باغیوں سے حجاز کی مقدس سرزمین کو پاک کیا جائے، اور وہاں ان سرپھروں نے آثار و مقابر کو جو نقصان پہنچایا ہے اسکی تلافی کی جائے۔

طائف، کربلا معلی، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں ان لوگوں نے بے گناہ عوام کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا تھا، ان مظالم کی داستان اب ملک کے طول و عرض میں پہنچ چکی تھی، کچھ لٹے پٹے قافلے اور جلاوطن لوگ دربار خلافت میں بھی پہنچے اور روداد غم سنائی ان میں مدینہ منورہ کے شاہی خاندان کے افراد بھی تھے۔

محمود خان بادشاہ کا دل بھر آیا، ان واقعات نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا، اب تاخیر کے جواز کی کوئی صورت نہ تھی، انہوں نے فوراً اپنے مصری گورنر محمد علی پاشا کو لکھا کہ وہابیوں کی سرکوبی کی طرف اولیں فرصت میں توجہ دے۔

خدیو مصر محمد علی پاشا نے اپنے سرفروش بیٹے طوسون پاشا کو ۱۲۲۶ھ میں جرار لشکر دے کر وہابیوں کی طرف روانہ کیا اس عرصہ میں وہابی دور دور تک اپنی سلطنت کی حدود پھیلا چکے تھے۔

حسنی رقمطراز ہے۔

"عرب کا مشرقی ساحل بھی ان کے قبضہ میں تھا، بحرین بھی فتح ہو گیا..... نجدیوں نے نواح بغداد کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا، اسی سال میں شام پر وہابیوں نے حملہ کیا، اور حلب کو فتح کر لیا، شامیوں نے دب کر صلح کر لی۔ لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے، اس زمانے کے وہابی پیمان شکنی میں طاق تھے، معاہدہ کے باوجود حملے کرتے رہے، ۱۸۱۰ء میں وہابی حوران تک بڑھ گئے، اور وہاں بیسیوں گاؤں کو لوٹ لیا"۔ [۴۰]

"اب صرف مغرب کی جانب، مصر کی راہ سے ترک حملہ آور ہو سکتے تھے، ترکی سلطان نے محمد علی پاشا خدیو مصر کے نام فرمان صادر کیا، کہ پاشائے موصوف حجاز پر حملہ کرے، اور حرمین شریفین کو فتنہ نجدیہ سے نجات دلائے"۔ [۴۱]

سعود غافل نہیں تھا، طوسوں پاشا کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر نکلا (بصفرا) ابن المبارک ۱۲۲۶ھ کو صفراء کے مقام پر دونوں لشکروں کا تصادم ہوا، محرم ۱۲۲۷ھ میں ایک اور زوردار جھڑپ ہوئی، اسی سال صفر کے مہینے میں محمد علی پاشا نے طوسوں کی امداد و کمک کے لئے ایک اور لشکر روانہ کیا، جھڑپیں اور معرکہ آرائیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا، کوئی فیصلہ کن جنگ نہ ہو سکی، تاہم مصری مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، اور ان کی کامیابی کے امکانات روشن تھے، مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے لوگ دل سے مسلمانوں کی کامیابی کے خواہشمند تھے تاکہ وہ وہابیوں کی جبری تعلیم اور اختراعی ڈھکوسلوں سے نجات حاصل کر سکیں، کیونکہ ان علاقوں کے اکثر لوگ جبری طور پر وہابی بنائے گئے تھے، انہیں وہابیوں کے ہمل اور بیہودہ عقائد کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔

حسنی لکھتا ہے

"یہ بدوی حال ہی میں جبراً وہابی کئے گئے تھے"۔ [۴۲]

۱۲۲۸ھ میں محمد علی پاشا نے خود بھی جنگوں میں حصہ لیا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اگلے سال سعود مر گیا اور اسکی جگہ امیر عبداللہ حکمران ہوا، اس نے باپ کی جگہ سنبھال لی، جنگوں اور تصادموں کا سلسلہ جاری رہا، مگر طوسون نے ہر معرکہ میں عبداللہ کو پسپا کرنا شروع کر دیا۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور طوسون نے وہابیوں سے تمام علاقے واپس لے لئے مدینہ طیبہ کے لوگوں نے مسلمانوں کا بڑی گرمجوشی

---

۴۰ حسنی بی اے، ۴۹ ؛ ۴۱ ایضاً، ۵۰ ؛ ۴۲ ایضاً

سے استقبال کیا، اور خود آگے بڑھ کر شہر کے دروازے کھولے اور رب کا شکر ادا کیا کہ وہابیت کی سیاہ رات کٹی، اور تاریک سائے دور ہوئے۔ اس روز ان کی مسرت و شادمانی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، یہی حال باقی مقامات کے باشندوں کا تھا، جو وہابیوں سے نجات پاکر امن و سکون کی دنیا میں آئے۔

۱۲۳۲ھ میں محمد علی پاشا نے ابراہیم پاشا کو نجد کا علاقہ بھی فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ اب صرف یہی شہر ان کے قبضہ میں رہ گیا تھا۔ ابراہیم برق و رعد کی طرح نجد کے علاقہ درعیہ میں ان کے سر پر جا دھمکا، مقابلہ ہوا، مگر وہابیوں کا سردار عبداللہ ہمت ہار چکا تھا، اس لئے گرفتار ہو گیا، اس کے خاندان کے باقی لوگ بھی حراست میں آ گئے یا قتل کر دیئے گئے، وہابیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست ہوئی، کہ کوئی بھی نہ بچا، ان کا نام و نشان تک مٹ گیا، اس لڑائی میں شیخ نجدی کا پوتا سلیمان بھی مارا گیا جو دادا ہی کی طرح متعصب اور کٹر وہابی تھا، اس طرح ۱۲۳۳ھ میں وہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا، جس نے ایک سو سال سے مسلمانوں کا سکون برباد اور کفر و شرک کے فتووں سے ان کا جگر چھلنی کیا ہوا تھا۔

حسنی کا بیان ہے۔

وہابی فوجیں مختلف مقامات پر ہزیمت اٹھا کر پسپا ہوئیں، حملہ آوروں نے ایک ایک کر کے وہابی سلطنت کے تمام علاقے چھین لئے، یہاں تک کہ ۱۸۱۸ء میں درعیہ دار السلطنت پر بھی قبضہ کر لیا، مجبور ہو کر عبداللہ نے اپنے تئیں فاتحین کے حوالے کیا، انہوں نے درعیہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ امیر عبداللہ کو اسیر کر کے پہلے قاہرہ بھیجا گیا، پھر قسطنطنیہ، ترکوں نے سلطان کے حکم کے مطابق۔ مجمع عام کے روبرو امیر عبداللہ کو مسجد ایا صوفیہ کے چوک میں بڑی ذلت سے تہہ تیغ کیا۔

اس طرح پر وہابی سلطنت کے پہلے دور کا خاتمہ ہوا۔ [43]

فتنہ وہابیہ کے عقائد و حالات اور استیصال کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔

---

[43] ایضاً، ۵۱

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب' الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون الی الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم المسلمون' وان من خالف اعتقادهم مشرکون' واستباحوا بذالک قتل اهل السنة' وقتل علماء هم حتی کسر الله شوکتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلثین ومائتین والف [44]

ہمارے زمانے میں نجد سے خروج کرنے والے، عبدالوہاب نجدی کے مقلدین اسی قسم کے ہیں، جو حرمین پر قابض ہو گئے، وہ خود کو حنبلی کہتے تھے، اور اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی جماعت کے سوا سب مشرک ہیں۔ اس لئے اہل سنت و جماعت کا خون بہانا اور ان کے علماء کو قتل کرنا مباح سمجھتے تھے، یہاں تک کہ خدا نے ان کی قوت کو توڑا، ان کے شہر تباہ و برباد کئے اور ۱۲۳۳ھ میں اسلامی لشکر کو ان پر فتحیاب کیا۔

حضرت فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیہ کی بیخ کنی کا منظر یوں کھینچا ہے

"اب تمام ملک عرب۔ حجاز و شام و یمن وغیرہ میں اس مذہب کا نام و نشان باقی نہیں، سوائے چند گنواروں کے، کہ نام اس قبیلے کا اسیر ہے، کہتے ہیں کہ کچھ باقی ہیں، والعلم عند اللہ، اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور تمام مسلمانوں کے شہروں میں جو روم و شام و مصر و عراق کے ہیں، کوئی اس مذہب کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ یہ حال ہے عرب کے نجے دین والوں کا۔" [45]

مولانا محمد حسین شوق نے اپنی تاریخ میں اس وہابیت کے آغاز و انجام پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔ "اس دوران میں ایک مذہبی وہابی فرقے نے عرب میں اقتدار حاصل کر لیا۔ زمانہ ۱۶۹۱ء سے ۱۶۹۱ء تک یعنی پوری ایک صدی تک رہا۔ ابن عبدالوہاب اس فرقے کا بانی تھا۔ اس کے پیروؤں نے کربلا معلی اور مکہ مکرمہ کو

---

[44] ابن عابدین شامی، باب البغاۃ [45] سیف الجبار، ۴۸

کو ۱۸۰۱ء میں فتح کیا، اور مدینہ کو ۱۸۰۹ء میں تسخیر کر لیا۔

لیکن ان تمام علاقوں کو ابراہیم پاشا، محمد علی پاشا والی مصر کے لڑکے نے ۱۸۱۶ء میں وہابیوں سے فتح کر لیا، سلطان نے ابراہیم پاشا کو بہت انعام و اکرام دے کر خاص عزت کی۔

اگرچہ وہابی فرقہ کی سرکوبی ہو گئی، لیکن آج تک یہ فرقہ چلا آتا ہے،،[۴۶]

مورخ حسنی بی اے آنرز رقمطراز ہیں۔

،، اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں تحریک وہابیت نے نجدیوں میں بے حد جوش پیدا کیا، عام مسلمانوں سے خصومت تو تھی ہی، مذہب اور غزوہ کی آڑ میں نجدیوں نے گرد و نواح میں چھاپے مارنے شروع کئے، تنگ آکر مصری اور ترکی افواج نے نجد کو ایسا پامال کیا کہ وہابی سلطنت تو ایک طرف، وہابی عقائد کا بھی قلع قمع ہو گیا۔،،[۴۷]

[۴۶] تاریخ اسلام ۵۰۲۹۶۷ ؛ [۴۷] حسنی ، ۹۵

وہابیت کا تیسرا دور

ترکی حکومت نے وہابی تحریک، عقائد، سلطنت اور ان کے صنادید و عمائدین کا نام و نشان مٹا دیا۔ وہابیت جس طرح آناً فاناً پیدا ہوئی تھی، چند روزہ اپنا زور شور اور اثر و رسوخ دکھا کر ختم ہو گئی۔ اہل اسلام نے شکر کا کلمہ پڑھا اور اس بدعت اور خوفناک وبا کی شر انگیزی و فتنہ آرائی کی طاقت ٹوٹنے سے بہت خوش ہوئے۔

ترک حکومت کو نجد حضر موت، الحسا اور اسی قسم کے صحرائی علاقوں کے ساتھ کوئی خاص سروکار نہ تھا، یہاں قبائلی سرداروں کی اپنی حکومت تھی جس میں وہ الجھے رہتے تھے۔ اس وقت ترک حکومت کو عرب کے ان قبائل کے ساتھ لڑنے اور مداخلت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ وہاں وہابیت مذہب کا لبادہ اوڑھ کر نئے رنگ میں ابھری تھی، اور اس کے پیروکاروں نے عام مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دے کر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس زبردست فتنہ انگیزی کو مومن دل و دماغ رکھنے والی حکومت نے تشویش کی نگاہ سے دیکھا اور اس کا محاسبہ کرنا ضروری سمجھا۔

وہابیت کے خلاف فوری کارروائی کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ:

وہابیوں نے حجاز مقدس پر قابض ہو کر نہری سرحدہ اور سلطان ترکی کو بھی مکھ مارا کہ وہ وہابی عقائد اختیار کر لیں ساتھ ہی انہوں نے ترکی حاجیوں کے قافلے کا حرم میں داخلہ بھی ممنوع قرار دے دیا[۴۸] اس نئے مرکزی حکومت کو ان کے خلاف بھرپور جہاد کرنا پڑا۔ تاہم وہابیوں کا مکمل استیصال کر کے مصری افواج کا جرنیل ابراہیم پاشا واپس چلا گیا اور قبائل پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی، کیونکہ مقصد حاصل

[۴۸] شاہکار انسائیکلو پیڈیا قسط ۲ ، ۵۵

ہوچکا تھا،

اب حجاز مسلمانوں کے قبضہ میں تھا،

جنگِ اقتدار

یہ حالات دیکھ کر بچے کھچے وہابیوں میں ایک بار پھر اقتدار کی خواہش انگڑائیاں لے کر بیدار ہوگئی، اور انہوں نے زبردست ہاتھ پاؤں مارنا شروع کردئیے، تیسرا دور ۱۸۲۰ء سے لے کر ۱۹۰۲ء تک حصولِ اقتدار کی اسی جدوجہد اور کشمکش پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں وہابیوں نے اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹا، عزیزوں کے ساتھ مل کر اپنے عزیزوں کے خلاف خونی سازشیں کیں، عبداللہ کی پناہ میں رہے، عبداللہ سے امدادیں طلب کیں، مگر لیلائے اقتدار کے وصال کی خاطر سب کچھ گوارا کرتے رہے۔

یہ ساری داستان حیرت انگیز بھی ہے، اور عبرتناک بھی!

حیرت انگیز اس لئے کہ کٹر وہابیوں نے ان ہی حرکات کا ارتکاب کیا، جن کی بناپر وہ عام مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگاتے تھے، اور دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے عبرتناک اس لئے کہ وہ سبق حاصل کرے

عزیزوں کے لئے جو شرک ہے، اپنے لئے طیب وحلال ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو،

اسی خاطر اس دورِ ہوش ربا کی کچھ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں

نجدیوں کے آخری وہابی سربراہ امیر عبداللہ کو قسطنطنیہ میں سرِعام قتل کردیا گیا تھا۔ اس کے بیٹے ترکی نے ۱۸۳۰ء میں ریاض کو دوبارہ حاصل کرلیا، مشاری نے ۱۸۳۴ء میں اسے قتل کرڈالا، مگر ترکی کے بیٹے فیصل نے اسے بھی جینے کی مہلت نہ دی، اور اسے قتل کرکے خود اقتدار پہ قبضہ کرلیا، ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۹ء تک

اور دوبارہ ۱۸۴۳ء سے ۱۸۶۵ء تک حکومت پر قابض رہا، اس عرصہ میں جنگ وجدال اور طغیان وفساد کے کئی انقلاب اور سیلاب آئے۔

فیصل کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ نے ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۱ء تک اور دوبارہ ۱۸۷۴ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک حکومت کی، عبداللہ کے دو بھائی اور تھے، سعود تو اپنے بھائی کو قتل کرنے کی فکر میں رہتا تھا، اس کے مقابلے میں دوسرا بھائی عبدالرحمان اگرچہ اقتدار کا شدید خواہشمند تھا، مگر سعود کے مقابلے میں امن پسند تھا، صرف اس خاطر کہ آپس کی ناچاقی سے فائدہ اٹھاکر کوئی اور دشمن ان کا علاقہ نہ چھین لے، جو انہوں نے جہدِ بسیار کے بعد حاصل کیا تھا۔

سعود، لیلائے اقتدار کی چاہت میں اندھا ہوچکا تھا، تمام مصلحتیں نظرانداز کرکے قبیلہ عجمان کے ساتھ جاملا، اور ان کی سیاسی پناہ حاصل کرلی، پھر اس قبیلے سے ایک جنگ جو جتھا لے کر حملہ آور ہوا اور عبداللہ کو اقتدار سے ہٹادیا، مگر شومئی قسمت سے اس کی زندگی کی کمند اس وقت ٹوٹی، جب لبِ بامِ اقتدار دو چار ہاتھ رہ گیا تھا، جب اپنی موت مرگیا تو عبداللہ پھر قابض ہوگیا۔

مگر سعود کی اولاد نے پھر حملہ کردیا، اور چچا سے ریاض چھین لیا۔ اس موقعہ پران کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جسے پنجابی زبان میں یوں ادا کیا جاتا ہے۔

”موراں نوں پئے گئے چور ، چوراں نوں پئے گئے ہور“

ایک طاقتور دشمن ابن رشید نے اچانک ہلہ بول کر سب کو پسپا کردیا اور ریاض پر قبضہ جمالیا

(ب)

ابن رشید کا ارتقا

ابن رشید علاقہ حائل کا فرمانروا تھا، جب اس نے وہابیوں کو باہم دست وگریبان دیکھا تو موقعہ غنیمت جان کر فوج لے کے آگیا، اور وہابیوں کا دارالحکومت ریاض فتح کرکے تمام وہابیوں کو وہاں سے نکال دیا اور اپنے ایک

معتمد سلیم کو نائب مقرر کر کے چلا گیا۔

البتہ عبدالرحمان کو امن پسند سمجھ کر وہیں رہنے کی اجازت دے دی۔ کچھ عرصہ بیت گیا، عبدالرحمان نے غلامی اور محکومی کی اس زندگی سے نجات پانے کے لئے خفیہ طور پر منصوبے شروع کر دیئے اور سلیم کی حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبے بنانے لگا،

ابن رشید کو پتہ چل گیا۔ اس نے سلیم کو حکم دیا کہ تمام وہابیوں کو قتل کر دو، عبدالرحمان کو اس خفیہ حکم کا علم ہو گیا۔ اس نے فوراً مکمل دفاع کا انتظام کر لیا، سلیم چند فوجی لے کر آیا، اس کا خیال تھا اتنے ہی آدمیوں سے کام چل جائے گا، یہ نہیں جانتا تھا کہ عبدالرحمان مقابلے کے لئے تیاری اور انتظام کر چکا ہے، اس لئے گرفتار ہو گیا۔

ابن رشید کو پتہ چلا تو وہ حائل سے فوج لے کر ریاض کی طرف چل پڑا اور اسے دوبارہ فتح کر لیا، اس دفعہ اس نے پکا ارادہ کیا ہوا تھا، کہ تمام وہابیوں کو تہ تیغ کر دے گا، تاکہ کسی کے سر اٹھانے کا خدشہ ہی نہ رہے۔

عبدالرحمان کو ان ہولناک عزائم کا علم ہو گیا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اتنا بڑا خاندان گاجر مولی کی طرح کٹ جائے، لہذا شب کی تاریکی میں بچوں، عورتوں، مردوں کو لے کر نکل کھڑا ہوا، اور اسی قبیلہ عجمان میں پہنچ گیا، جہاں اس کے بھائی سعود کے لڑکے رہتے تھے، مگر انہوں نے آنے والے پناہ گزینوں کو بالکل منہ نہ لگایا۔

غیر اللہ کی پناہ میں

عبدالرحمان کے دل میں ہر قیمت پر کھویا ہوا وقار و اقتدار حاصل کرنے کی شدید خواہش موجود تھی، وہ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خطرات و مصائب کا سامنا کرنے اور طوفان بلا سے ٹکرانے کے لئے بھی تیار تھا، اس لئے تمام عورتوں کو بحرین بھیج دیا اور جتنی جمعیت فراہم ہوئی اس کے ساتھ ریاض پر حملہ کر دیا، مگر ایسی شکست کھائی کہ اٹھنے کے قابل نہ رہا، قبیلہ عجمان نے دھتکار دیا تھا، ابن رشید کی انتقامی کارروائی کا بھی خوف تھا، اس لئے جان بچا کر اپنے نوعمر بیٹے عبدالعزیز کے ساتھ صحرائے ربع الخالی کی وسعتوں میں گم رہنے والے غیر مہذب قبائل کے پاس جا کر ایک قبیلہ مرہ کی پناہ حاصل کر لی، اور باپ بیٹا دونوں نے گمنام بدوی زندگی بسر کرنا شروع کر دی،

صحرائے ربع الخالی کی وسعت اور زہرہ گداز طول و عرض کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہزاروں مربعہ میل پر پھیلا ہوا ہے، ایک دفعہ کوئی اس کی پہنائیوں میں گم ہو جائے تو پھر اس کا کائنات ہستی کے ساتھ اپنا تعلق "قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہی قبائل یہاں رہ سکتے ہیں جو اس دشت ودال پا کی زلف محبوب کی طرح الجھی ہوئی راہوں کے تیور شناس ہوں۔ خانہ بدوش قبائل، متمدن دنیا سے الگ اسکی پھیلی ہوئی آغوش میں گم رہتے ہیں، اور جہاں زیست کے آثار پاتے ہیں وہیں خیمہ زن ہو جاتے ہیں، یہی ان کی زندگی اور یہی سادہ معاشرت ہے، جس میں کوئی تصنع، بشری تکلف، رکھ رکھاؤ اور بناوٹ نہیں، بس ایک سپاٹ طرز حیات ہے۔

جس کو پناہ دیں اس کے ساتھ وفا ان کا شیوہ اور مہمانداری ان کی وضع ہے انہوں نے عبدالرحمان اور عبدالعزیز کو پناہ دی اور اپنی وضع اور اپنے شیوہ کو سالہا سال تک نبھایا، عبدالرحمان نے اس عرصہ میں اپنے نوعمر بیٹے میں بھی حصول اقتدار کی جوت جگا دی، اور اسکے امنگوں بھرے جوان دل میں ایک ایسی لگن لگا دی، جس کا منتہائے مقصود صرف اقتدار کا حصول تھا۔ عبدالرحمان نے اس قبیلے کے نوجوانوں کو منظم کر کے بارہا ریاض پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، مگر وہ تیار نہ ہوتے، بالآخر مایوس ہو کر اس نے یہ سنگلاخ اور نرم نہ ہونے والی سنگت ترک کر دی، اور والی کویت سے پناہ کی درخواست کی، جو فوراً منظور کر لی گئی، عبدالرحمان نے سارا خاندان کویت میں بلا لیا اور والی کویت کی پناہ میں زندگی بسر کرنے لگا، جس نے نہ صرف پناہ دی بلکہ گزر اوقات کے لئے ماہانہ وظیفہ دینا بھی شروع کر دیا۔

غیر کی پناہ میں اگرچہ یہ بے کسی اور مجبوری کی زندگی تھی، مگر عبدالرحمان کے دل میں اب بھی حکومت کی خواہش کروٹیں لیتی رہتی تھی،